وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

اور میں نے جن و انس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔

(ذاریات:۵۶)

آئین بندگی

تالیف

محسن علی نجفی

معراج کمپنی
لاہور پاکستان

آئین بندگی

مؤلف

حجۃ الاسلام والمسلمین

محسن علی نجفی

معراج کمپنی

لاہور۔ پاکستان

نام کتاب: آئین بندگی

مؤلف: حجۃ الاسلام والمسلمین محسن علی نجفی دام ظلہ

کمپوزنگ: علی حیدری

تاریخ طبع: محرم الحرام ۱۴۳۷ھ/اکتوبر ۲۰۱۵ء

تعداد: ۱۰۰۰

پیشکش: جامعۃ الکوثر۔ اسلام آباد

ناشر: معراج کمپنی۔ لاہور۔ پاکستان

فون: 0321497121- 04237361214

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ

اردو بازار لاہور

فون: 03214971214 - 04237361214

محمد علی بک ایجنسی۔ اسلام آباد

فون: 03335234311

انتساب

ان مؤمنین کے نام!
جو اپنے عمل سے آئمہ (ع) کی ولایت حاصل کرنے
میں کامیاب ہوئے۔

واعلموا ان ولایتنا لا تنال الا بالعمل۔۔۔

(الامالی للصدوق (رح) ص ۲۲۶ مجلس ۱۹)

جان لو! ہماری ولایت صرف عمل کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔

عبادت کی تعریف

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ (الرعد: ۲۸)

یاد رکھو: یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کی متعدد آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ عبادت کسے کہتے ہیں اور بندگی کس کی ہوتی ہے۔ قرآنی آیات کی روشنی میں عبادت کی تعریف یہ ہے:

"کسی کو اپنا رب اور خالق سمجھ کر اس کی تعظیم کی جائے" یہ عبادت ہے۔

اس تعریف کے شاہد کے طور پر چند ایک آیات پیش کی جاتی ہیں:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝[1]

یہ تمہاری امت یقیناً امت واحدہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا تم صرف میری عبادت کرو۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝[2]

بیشک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے لہٰذا تم اس کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝[3]

یقیناً اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

ان آیات میں بیان کیا گیا ہے: اللہ تمہارا رب ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرو۔ عبادت کا حکم دینے کی وجہ رب ہونا قرار دیا ہے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ....[4]

اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا اس کی

---

[1] الانبیاء: ۹۲

[2] آل عمران: ۵۱

[3] الزخرف: ۶۴

[4] الانعام: ۱۰۲

عبادت کرو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ....[1]

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے والے لوگوں کو پیدا کیا۔

ان آیات میں فرمایا: اللہ تمہارا خالق ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرو۔

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ ....[2]

اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوقات کو لے کر جدا ہو جاتا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ....[3]

کہدیجیے: یہ تو بتاؤ جنہیں اللہ کے سوا تم پکارتے ہو، مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین کی کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے؟

ان اور دیگر متعدد آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبادت رب اور خالق کی ہوتی ہے۔ چونکہ خالق ہی رب ہوتا ہے اور غیر خالق رب نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا خالق اور رب کا نتیجہ ایک ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ عبادت کی اس قرآنی تعریف سے ان کم فہم لوگوں کا گمان باطل ہوتا ہے جو ہر قسم کی تعظیم کو عبادت اور شرک قرار دیتے ہیں۔

بندگی

اللہ تعالیٰ کی بندگی انسان کی انسانیت سے مربوط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو انسان کے عنوان سے بنایا ہے وہ عنوان اس مخلوق پر اللہ کی بندگی کرنے کی

---

[1] البقرۃ: ۲۱

[2] المؤمنون: ۹۱

[3] الاحقاف: ۴

صورت میں منطبق ہوتا ہے ورنہ وہ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ [1] چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے وجود کی کوئی غرض اور مقصد نہ ہو۔ تمام موجودات ارضی و سماوی کسی غرض و غایت کے تحت کسی منزل مقصود کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان موجودات کی غرض و غایت وجود انسان کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔۔۔ [2]

وہ وہی ذات ہے جس نے زمین میں موجود ہر چیز کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۔۔ [3]

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخر کیا ہے۔

اسی نکتے کو اب انسان نے سمجھنا شروع کیا ہے کہ ان موجودات کی غرض تخلیق انسان ہے۔ فری مین ڈائسن (Freeman Dyson) کہتے ہیں:

جوں جوں میں کائنات کو دیکھتا اور اس کی ساخت کا مطالعہ کرتا ہوں اتنا میرے اس یقین میں اضافہ ہوتا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اسے ہماری آمد کی پیشگی اطلاع مل چکی ہوگی۔

انسان کی غرض تخلیق

جب کائنات کی تمام موجودات بلا مقصد پیدا نہیں کی گئیں بلکہ یہ موجودات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں تو یہاں ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر خود انسان کس مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے؟ اس کی غرض تخلیق کیا ہے؟

---

[1] اعراف: ۱۷۹

[2] البقرۃ: ۲۹

[3] الجاثیہ: ۱۳

جواب دو صورتوں سے خالی نہیں ہے۔
ایک صورت یہ ہے انسان اسی دنیا کے لیے پیدا ہوا ہو اور غرض تخلیق یہی حیات دنیوی ہو۔
دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کی غرض تخلیق اللہ کی بندگی ہے۔
ان دونوں صورتوں میں سے کون سی صورت درست ہے؟ ہم خود انسان سے پوچھتے ہیں کہ خود انسان کی حیات اور زندگی کے ساتھ کون سی بات سازگار ہے؟
پہلی صورت: اگر انسان کی غرض تخلیق یہی حیات دنیوی ہوتی تو اس صورت میں انسان کو اس دنیوی زندگی کے لیے جس قدر آسائش میسر آئے، بہتر عیش و نوش، وافر مال و دولت اور نعمتوں کی فراوانی مل جائے اور دنیا کی رعنائیوں میں جس قدر گم رہے، اسی قدر انسان کو سکون، آرام اور اطمینان حاصل ہونا چاہیے۔ جس قدر اس کی دولت میں اضافہ ہو جائے اسے بہتر نیند آنی چاہیے۔ جس قدر عیاشی کے ذرائع استعمال کرے اسی قدر اس کے ضمیر اور وجدان کی طرف صدائے آفرین آنی چاہیے اور اسے ایک کیف و سرور کی ناقابل وصف و بیان حالت میں جانا چاہیے چونکہ اسے اپنی خلقت کی غرض مل گئی اور اپنے مقصد تخلیق کے ساتھ معانقہ کرنے کے شیرین لمحات میسر آگئے کیونکہ غرض حیات اور مقصد زندگی زیادہ سے زیادہ ملنے سے سکون حاصل ہوتا ہے۔
جب کہ ہم واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر ناز و نعمت میں ضرورت سے زیادہ اضافہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس سے سکون چھنتا چلا جاتا ہے۔ جس قدر مال و دولت میں فراوانی آتی ہے اطمینان سلب ہو جاتا ہے۔ دنیا کی رعنائیوں میں جس قدر مگن رہتا ہے اسی قدر لذت حیات سے محروم ہو جاتا ہے۔ جس قدر انسان کی ثروت و دولت میں اضافہ ہوتا ہے نیند حرام ہو جاتی ہے۔ کام و دہن جس قدر متنوع نعمتوں کا عادی ہوتا ہے لذت ختم ہو جاتی ہے۔ بھوک نہیں، طلب نہیں، لذت نہیں چونکہ لذت بھوک میں ہے۔ اس جگہ میرے مولا، واقف اسرار حیات، امام المتقین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا یہ فرمان نہایت قیمتی اور قابل توجہ ہے۔ ارشاد ہے:

ان کان یغنیک ما یکفیک فادنی ما فی الدنیا یکفیک

وان کان لا یغنیک ما یکفیک فلیس شیئ من الدنیا یغنیک۔[1]

اگر کفایت کی چیز تجھے بے نیاز کرتی ہے تو دنیا کی ادنیٰ چیز بھی تیرے لیے کافی ہوگی۔ اگر کفایت کی چیز تجھے بے نیاز نہیں کرتی تو دنیا کی کوئی چیز تجھے بے نیاز نہیں کرسکتی۔

دوسری جگہ فرمایا:

فمن عقل قنع بما یکفیہ ومن قنع بما یکفیہ استغنی وان لم یقنع بما یکفیہ لم یدرک الغنی ابداً۔[2]

جو عقل سے کام لیتا ہے وہ اپنی کفایت پر قناعت کرتا ہے۔ جو اپنی کفایت پر قناعت کرتا ہے وہ بے نیاز ہو جاتا ہے اور جو اپنی کفایت پر قناعت نہیں کرتا وہ کبھی بھی بے نیاز نہیں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ کفایت سے زیادہ مال و دولت آنے پر انسان کی خواہشات بیدار ہو جاتی ہیں اور جب خواہشات بیدار ہو جائیں تو وہ کبھی بھی پوری نہیں ہوتیں۔

آسائش دنیا بے حقیقت

دنیا کی آسائش اور عیش و نوش بے حقیقت ہے۔ آپ فرض کریں ایک فقیر شخص کی لاٹری نکل آتی ہے اور وہ یک دم کئی کروڑ روپے کا مالک بن جاتا ہے اور بڑی پر آسائش زندگی مل جاتی ہے۔ چند دن وہ ان آسائشوں کا احساس کرتا ہے پھر یہ

آسائشیں اس کے معمولات زندگی شمار ہوتی ہیں۔ جس طرح عالم فقیری میں اس کے معمولات تھے یہ بھی معمولات ہو جاتے ہیں، آسائش نہیں رہتی۔ یہ آسائش بے حقیقت اور جھوٹ تھی۔ جس طرح امیروں کی شاہانہ زندگی ان کے معمولات ہیں، اسی طرح فقیروں کی فقیرانہ زندگی ان کے معمولات ہیں۔

---

[1] تحف العقول ص ۳۸۷۔ وصیتہ لھشام

[2] اصول کافی ج ۱ ص ۱۸۔ تحف العقول ص ۳۸۷

ان دونوں معمولات میں اگر فرق ہے تو فقیر اپنے معمولات میں آرام سے سوتا ہے اور امیر اپنے معمولات میں بے سکونی کی وجہ سے آرام کی نیند سو نہیں سکتا۔ پس دنیا کی آسائشوں سے بے سکون ہونا اور دولت کی فراوانی سے مضطرب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ انسان اپنے مقصد حیات سے دور نکل گیا ہے۔

یہاں ایک نکتے کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے کہ جب انسان کو اپنی زندگی کی اہم ضروریات فراہم ہو جائیں تو سکون مل جاتا ہے۔ اگر رہائش کے لیے ضرورت کا مکان، پہننے کے لیے ضرورت کا لباس، زندگی گزارنے کے لیے گزر اوقات کا روزگار فراہم ہو جائے تو سکون و اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی زندگی گزارنے کے لوازم فراہم ہو جائیں تو سکون ملتا ہے اس لیے کہ یہ اس کی زندگی کے لوازم ہیں، دنیا پرستی نہیں ہے۔ جب ضرورت سے زیادہ دولت ملتی ہے تو اس کی خواہشات کا درندہ بیدار ہو جاتا ہے اور یہ درندہ بے قابو ہو جائے تو سکون حرام ہو جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کی غرض تخلیق اللہ کی بندگی ہے۔ آگے ہم اس بات پر تحقیق کریں گے کہ کیا اللہ کی بندگی انسان کے ساتھ سازگار ہے یا انسان کی ساخت و بافت اور اس کے انسانی تقاضوں کے منافی ہے؟

اس روشن دنیا میں اس بات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ کی بندگی انسان کے ضمیر، وجدان اور فطرت و جبلت کی آواز ہے۔ اس میں تجرباتی علوم (سائنس) اور نفسیاتی علوم کا دینی تعلیمات کے ساتھ کامل اتفاق ہے کہ اللہ کی بندگی سے انسان کی روح کو غذا ملتی ہے، قلب کو سکون، وجدان کو آرام، ضمیر کو اطمینان ملتا ہے۔

ان حقائق کو قرآن مجید نے مختلف آیات میں پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ

تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ○[1]

جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل یاد خدا سے مطمئن ہو جاتے ہیں، یاد رکھو! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

انسان کے ظاہری وجود کے ماوراء ایک اور انسان ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ظاہری انسان ہے اور ایک باطنی انسان ہے۔ اس باطنی انسان کو ہم ضمیر، فطرت، قلب، وجدان اور جبلت کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ جس طرح ظاہری انسان کے تقاضے ہوتے ہیں اسی طرح باطنی انسان کے بھی تقاضے ہیں۔

کبھی ظاہری انسان باطنی انسان کے تقاضوں کے خلاف جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو باطنی انسان یعنی ضمیر، وجدان اس ظاہری انسان کی سرزنش کرتا ہے اور ضمیر و وجدان کی عدالت میں پیش کر کے اس کا محاسبہ کرتا ہے، اس عمل کو ہم ضمیر کی ملامت کہتے ہیں۔ ایسے میں ان دونوں انسانوں میں جنگ چھڑ جاتی ہے اور انسان اضطراب اور بے سکونی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اگر ظاہری انسان اپنے باطنی انسان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے، مثلاً ذکر و عبادت الٰہی میں مصروف رہے تو اس ظاہری اور باطنی انسان میں ہم آہنگی اور باہمی امن و آشتی برقرار رہتی ہے۔ اسے سکون و اطمینان کہتے ہیں۔

اس لیے وہ رابطہ جو غیر اللہ کے ساتھ، اللہ کو ناراض کر کے قائم کیا جاتا ہے اس سے انسان کو سکون نہیں ملتا۔ مثلاً انسان ضرورت سے زیادہ مال و دولت کی فراوانی میں اپنا سکون تلاش کرتا ہے لیکن ضرورت سے زیادہ مال و دولت میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے اسی قدر انسان کی بے سکونی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کو کسی محدود سے سکون نہیں ملتا جب تک اللہ کی لامحدود ذات سے رابطہ نہ کرے۔ (ماخوذ از تفسیر الکوثر):

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] الرعد: ۲۸

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝[1]

جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اسے ایک تنگ زندگی نصیب ہوگی اور بروز قیامت ہم اسے اندھا محشور کریں گے۔

انسان اپنے وجود کے تمام زاویوں کے ماوراء ایک شعور رکھتا ہے۔ یہ شعور اپنے خالق سے مانوس ہوتا ہے۔ جس ہستی نے اس کے وجود کے تاروں کو جوڑا ہے اس ہستی کا جس قدر قرب حاصل ہوگا اسی قدر شعور سکون و سرور مل جاتا ہے اور اس سے جدائی اور دوری کی صورت میں یہ بے سکون ہو جاتا ہے، خواہ دنیا کی ساری دولت او حکومت اسے میسر آ جائے۔

اس سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ انسان صرف اس دنیا کی زندگی کے لیے پیدا نہیں ہوا کیونکہ اس دنیا کی ریل پیل سے اس کا جی نہیں بھرتا بلکہ وہ مزید بے سکون ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝[2]

انسان کم حوصلہ خلق ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ سوائے ان نماز گزاروں کے جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔

جس طرح انسان کی خلقت میں خواہش پرستی و جاہ پرستی موجود ہے اسی طر بے صبری اور کم حوصلگی کا پہلو بھی انسانی سرشت میں موجود رکھا گیا ہے۔ بے حوصلگی مطلب یہ ہے کہ تکلیف کی صورت میں گھبرانا اور آسائش کی صورت میں بخل کرنا، یہ

[1] طٰہٰ: ۱۲۴

[2] المعارج: ۱۹ تا ۲۳

باتیں انسانی سرشت میں ودیعت کی گئی ہیں۔

انسان میں منفی اور مثبت ترجیحات اس لیے ودیعت کی گئی ہیں کہ انسان فرشتوں کی طرح یک طرفہ مخلوق نہیں ہے بلکہ اسے ارتقاء کے لیے خلق کیا گیا ہے۔ آزمائش کے میدان میں اسے رکھا ہے۔ لہٰذا اس میں مختلف پہلو موجود ہیں: منفی اور مثبت۔ یہ دونوں پہلو نہ ہوں تو امتحان نہیں لیا جا سکتا۔ منفی اور مثبت پہلو اس حد تک نہیں ہیں کہ انسان کی خود مختاری متاثر ہو اور منفی یا مثبت پر مجبور ہو جائے بلکہ یہ دونوں رجحان کی حد تک رکھے گئے ہیں، جبر کی حد تک نہیں۔ منفی ہمیشہ منفی نہیں ہے۔ اعتدال کی حد سے تجاوز کرنے کی صورت میں منفی ہے ورنہ اپنی جگہ یہ خواہشات مثبت بلکہ بقائے انسان کے لیے ضروری ہیں۔ انسان میں بے صبری کا مایہ نہ ہوتا، پریشان ہونے کی کوئی صورت نہ ہوتی اور بخل کا مادہ سرے سے نہ ہوتا تو صبر اور سخاوت کی کوئی اہمیت وفضیلت نہ ہوتی۔

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا: اللہ کی بندگی سے محروم یہ کھوکھلا انسان تکلیف کی صورت میں پریشان حال ہو کر اعتدال کھو بیٹھتا ہے۔

وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا: یہ کھوکھلا انسان دولت اور آسائش حاصل ہونے کی صورت میں بخیل ہو جاتا ہے۔ سخاوت کرنے کی اس میں جرات نہ ہوتی۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ: سوائے ان نماز گزاروں کے جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ یعنی جس کی شخصیت اللہ کی بندگی پر استوار ہو وہ چٹان سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ دولتمندی ہو یا فقیری، آسودہ حال ہو یا تکلیفوں میں، وہ دونوں حالتوں میں اپنا توازن برقرار رکھتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر الکوثر جلد نہم صفحہ ۲۰۳)

عبودیت اور بندگی یعنی تسلیم وجود ایک کائناتی فریضہ ہے۔ چنانچہ اس کائنات کی کوئی مخلوق اپنے خالق کی بندگی سے خارج نہیں ہے اور اسی عبودیت پر نظام کائنات قائم ہے۔ کائنات کے لیے جو نظام اللہ تعالیٰ نے متعین فرمایا ہے اگر اس سے ذرہ برابر انحراف ہو جائے تو یہ کائنات درہم برہم ہو جائے۔ چنانچہ اس حقیقت کو قرآن نے متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ[1]

اور آسمانوں اور زمین میں ہر متحرک مخلوق اور فرشتے سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا[2]

ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو موجودات ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ اللہ نہایت بردبار معاف کرنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ....[3]

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی!؟ ان میں سے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے

ان آیات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر الکوثر۔

فطرت اور بندگی

دانشمندوں کو شروع میں تین چیزوں کے بارے میں علم ہوا کہ یہ فطری ہیں: ۱۔ جمال پرستی، ۲۔ آگاہ پرستی، ۳۔ احسان منش ہونا۔ تحقیقات سے علم ہوا خدا پرستی بھی انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ جس طرح انسان کو جمالیات سے لگاؤ ہوتا ہے اور وہ

---

[1] نحل: ۴۹

[2] الاسراء: ۴۴

[3] النور: ۴۱

اس سے محظوظ ہوتا ہے اسی طرح کسی حادثے، رونما ہونے والے واقعے کے بارے میں جاننا چاہتا ہے کہ اس حادثے کی تفصیل کیا ہے اور اس کے مثبت، منفی کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسان ان باتوں کا علم ہونے تک جستجو کرتا اور بے تاب رہتا ہے۔ علم حاصل ہو جانے کی صورت میں پرسکون ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو ہلاکت سے بچانے پر انسان میں کیف و سرور کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ دانشمندوں کی تحقیقات کے مطابق کسی عبادت گاہ سے وابستہ رہنے والے لوگ دوسروں کی نسبت پرسکون رہتے ہیں۔

قرآن مجید نے واضح لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ کی ربوبیت کا شعور کس طرح ودیعت فرمایا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝[1]

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور ان پر خود انہیں گواہ بنا کر (پوچھا تھا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا: ہاں! (تو ہمارا رب ہے) ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، (یہ اس لیے ہوا تھا کہ) قیامت کے دن تم یہ نہ کہ سکو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔

قرآن کے مطابق انسان کا ابتدائی اور اصلی دین توحید ہے۔ شرک بعد میں پیدا ہوا۔ مغربی مصنفین پہلے یہ خیال کرتے تھے کہ انسان کا ابتدائی دین شرک تھا اور انسان توحید تک بہت بعد میں پہنچا۔ لیکن اب وہ اس نتیجے تک پہنچ چکے ہیں کہ انسان کا ابتدائی دین توحید تھا۔

اس آیت اور احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تخلیق اولاد آدمؑ کے

---

[1] اعراف: ۱۷۲

موقع پر اولادِ آدم سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا لیکن یہ بات علماء اور مفکرین کے لیے واضح نہیں ہوئی کہ کیا یہ اقرار اور عہد و میثاق مافوق شعور سے لیا گیا تھا؟ یا اس بات کو انسان کے تحت شعور میں، فطرت و جبلت میں ودیعت کیا گیا تھا۔

پہلے موقف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے صلب آدمؑ سے قیامت تک ہونے والی تمام نسلوں کو ذرات کی شکل میں بیک وقت پیدا کیا اور انہیں عقل و شعور دیا۔ انہیں قوت گویائی عطا کی اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ بعد میں ان ذرات کو صلب بنی آدم میں واپس کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جیسا کہ کل بروز قیامت تمام انسانوں کو بیک وقت جمع کر کے ان سے حساب لیا جائے گا، بالکل اسی طرح کل عالم ذر میں بھی سب کو بیک وقت جمع کر کے ان سے عہد و اقرار لیا گیا تھا۔

دوسرے موقف کے مطابق اللہ نے تخلیق آدمؑ کے موقع پر ان کی فطرت اور سرشت میں معرفت رب ودیعت فرمائی۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀[1]

پس (اے نبی) یکسو ہو کر اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں، (یعنی) اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے، یہی محکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

کل مولود یولد علی الفطرۃ۔[2]

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ (یعنی فطرت توحید پر)

ہمارے نزدیک یہی موقف قرین واقع ہے۔ اس موقف پر دیگر آیات قرآنی کے ساتھ احادیث کا ایک قابل توجہ مجموعہ شاہد ہے۔ لہٰذا ہم اس آیت کی اس طرح

---

[1] الروم: ۳۰

[2] الکافی ۲: ۱۳ باب فطرۃ الخلق علی التوحید۔ صحیح بخاری ۲: ۱۰۰ کتاب الجنائز حدیث ۱۳۸۵

تشریح کر سکتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو اولاد آدم کی پشتوں سے آگے چلایا تو اس وقت ان نسلوں کی جبلت میں اس کے وجود کی جن تارہائے زندگی سے وابستگی ہوئی ہے، ان تاروں میں اپنے رب کی شناخت ودیعت فرمائی۔ ودیعت بھی اس طرح راسخ کی کہ وہ خود اپنی ذات پر گواہ بن جائیں۔ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی آواز پہچان کر بَلٰی کے ساتھ اقرار کریں۔

حضرت علی علیہ السلام، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَبَعَثَ فِيهِمْ رُسُلَهُ وَ وَاتَرَ اِلَيْهِمْ اَنْبِيَائَهُ لِيَسْتَادُوهُمْ مِيثَاقَ فِطْرَتِهِ....[1]

اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور اپنے انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ ان کو اپنی فطرت عہد و میثاق کی ادائیگی کی دعوت دیں۔

اس سلسلے میں جدید سائنسی معلومات کو اگر دلیل تسلیم نہ کیا جائے تو ان سے تائید ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان کی تخلیق میں کام آنے والے اربوں خلیوں کی پیدائش ایک خلیہ سے ہوئی ہے اور جو سبق ابتدائی خلیے میں موجود جین کو پڑھایا گیا ہے، وہ سبق آنے والے تمام خلیات میں بطور وراثت منتقل ہو جاتا ہے۔ تمام زندہ موجودات کے لیے جبلی ہدایات اللہ تعالیٰ نے خلیہ (Cell) کے مرکزی حصے D.N.A میں ودیعت فرمائی ہیں جو تین ارب نہایت چھوٹے سالموں پر مشتمل ہے اور حیات کا راز انہیں سالموں میں پوشیدہ ہے۔ D.N.A میں کئی سیکشن ہوتے ہیں جنہیں جین (GENE) کہتے ہیں اور جین ہی میں وہ نقشہ ہوتا ہے جس پر آگے چل کر انسان کی شخصیت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ ص ۴۳ خ ۱

ممکن ہے اسی طرح کا کوئی عمل وقوع پذیر ہوا ہو، جس کی تفصیل اور کیفیت کا ہمیں علم نہیں ہے۔ تاہم انسان نے اب تک اس سلسلے میں جو پیشرفت کی ہے اور کسی حد تک عالم خلیات کے اندر جھانک کر دیکھا ہے اور تخلیق و تعمیر پر مامور اس محیر العقول لشکر کی حیرت انگیز کرشمہ سازیوں کا مشاہدہ کیا ہے، اس سے اس بات میں کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا تو نسل انسانی کی جبلت کے ابتدائی خلیے کو اللہ کی ربوبیت کا درس پڑھایا ہو اور پھر اس سے اس کا اقرار لیا ہو۔ انسان اس کی کیفیت کماھو نہیں سمجھ سکتا، اس لیے آیت میں تمثیلی انداز اختیار کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ.....[1]

ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا.....

میں پیش کیا گیا ہے۔

انسان نفسانی خواہشات، منفی تربیت و ماحول اور دیگر عوامل کی وجہ سے فطری تقاضوں سے منحرف ہو جاتا ہے۔ مثلاً علم دوستی اور احسان دوستی سب کے نزدیک انسانی فطری تقاضوں میں شامل ہے۔ اس کے باوجود دیگر عوامل کے غالب آنے کی وجہ سے انسان، علم دوست ہوتا ہے نہ احسان پسند۔ البتہ انسان کو اگر علم و احسان کی دعوت دی جائے تو وہ فطرت کی آواز پہچان لیتا ہے۔

اگر انسان سے یہ عہد و میثاق نہ لیا گیا ہوتا تو انسان کے لیے معرفت حق ممکن نہ رہتی یا بالفاظ دیگر انسانی جبلت میں معرفت رب کی صلاحیت ودیعت نہ ہوئی ہوتی تو رب کی معرفت نہ ہوتی۔ دونوں موقفوں کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس قدیم عہد و میثاق کو یاد دلانے کے لیے آئے ہیں۔ اگر یہ قدیم عہد و میثاق نہ ہوتا تو انبیاء کی دعوت کو ہرگز پذیرائی نہ ملتی۔ یعنی اگر انسان کے وجود میں توحید کی طلب نہ ہوتی تو دعوت

[1] الاحزاب: ۷۲

انبیاء کی رسد کا کوئی خریدار نہ ہوتا۔ نقاش ازل نے نقش توحید کو لوح دل پر کندہ کر دیا تھا، اس لیے آج انبیاء علیہم السلام کے یاد دلانے پر انسان اس تحریر کو پڑھ لیتا ہے۔ ورنہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت صدا بصحرا ثابت ہوتی۔

معرفت نقش ہو گئی، واقعہ بھول گئے
یعنی سبق یاد ہے، کلاس بھول گئے

روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپؑ نے فرمایا:

ثبتت المعرفة فی قلوبھم و نسوا الموقف و سیذ کرونہ یوماً و لولا ذلک لم یدر احد من خالقہ و لا من رازقہ۔[1]

لوگوں کے دلوں میں معرفت نقش ہو گئی لیکن واقعہ بھول گئے۔ ایک دن انہیں واقعہ بھی یاد آئے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کسی کو علم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کا خالق و رازق کون ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس عہد و میثاق کی کیفیت خواہ کچھ ہو، اس سے معرفت حق، انسان کے وجود میں نقش ہو گئی اور معرفت حق کی صلاحیت آ گئی۔ دوسرے لفظوں میں اس طرح کہنا چاہیے کہ اگرچہ وہ کلاس کے تفصیلی واقعات تو بھول گیا لیکن سبق یاد ہے۔

ہماری بحث بھی اسی سبق سے ہے جو انسان کو یاد ہے۔ اگر انسان کی فطرت میں سرے سے کوئی بات موجود ہی نہ ہوتی تو کسی طاقت کے بس میں نہیں تھا کہ وہ بات اس میں پیدا کرے۔ مثلاً اگر انسان میں تعلیم کی صلاحیت بالکل مفقود ہوتی تو کوئی طاقت انسان کی سرشت میں یہ صلاحیت شامل نہیں کر سکتی اور اگر یہ صلاحیت انسان کی سرشت میں موجود ہو تو کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کر سکتی، البتہ منحرف کر سکتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اگر ایسا کوئی عہد و میثاق عمل

---

[1] المحاسن ج ۱ ص ۲۴۲ باب ۲۴ جوامع من التوحید

میں آیا تھا تو وہ ہمارے شعور و حافظہ میں کیوں نہیں ہے؟ ہم میں سے کسی کو علم ہی نہیں کہ ہم نے کسی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں ہاں کہی تھی اور جب یہ یاد ہی نہیں تو ہمارے خلاف حجت کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ سوال اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اگر بھول گئے ہیں تو کلاس کی تفصیلات بھول گئے ہیں لیکن سبق تو ہمیں یاد ہے۔ اسی وجہ سے ہم فطرت کی آواز کو پہچانتے ہیں اور اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ...[1]

پس (اے نبی) یکسو ہو کر اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں، (یعنی) اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے، یہی محکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

انسان اور بندگی

انسان کی عبودیت اور بندگی باقی کائناتی موجودات کے برخلاف دو قسموں پر مشتمل ہے: تکوینی عبودیت اور تشریعی عبودیت۔

۱۔ تکوینی عبودیت: اس عبودیت میں انسان بھی کائنات کی دوسری موجودات کی طرح اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قانون فطرت اور نظام تکوینی سے ذرہ برابر باہر نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قانون طبیعت کے تحت پیدا ہوتا ہے، بڑا ہوتا ہے، جوان ہوتا اور بوڑھا ہو جاتا ہے۔ بھوک لگتی ہے، بیمار ہوتا ہے اور بالآخر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

کوئی انسان اس تکوینی بندگی سے خارج نہیں ہے۔ اس بندگی میں چونکہ انسان کے اپنے ارادہ و اختیار کا دخل نہیں ہے لہٰذا یہاں کفر و ایمان کا سوال پیدا نہیں

[1] الروم: ۳۰

ہوتا۔ سب اس قانون میں یکساں ہیں۔

۲۔ تشریعی یا اختیاری عبودیت: اس بندگی میں انسان کائنات کی دیگر موجودات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انسان کے پاس عقل ہے اور عقل کی بنیاد پر ارادہ ہے۔ ارادے کا مطلب اختیار ہے۔ یعنی کسی عمل کے انجام دینے اور ترک کرنے پر قادر ہے اور اختیار رکھتا ہے۔ اس عقل، ارادے اور اختیار کی بنیاد پر انسان مؤمن بن سکتا ہے اور کافر بھی۔ اپنی خدا داد عقل و ارادے سے وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے اور اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کر سکتا ہے جب کہ اپنی شہوات کے تابع ہو کر گمراہ ہو سکتا ہے اور خواہشات کا بندہ بن سکتا ہے۔ اس طرح کی عبودیت خواہ اللہ کی ہو یا غیر اللہ کی، اختیاری بندگی ہے۔ اسی اختیار کی وجہ سے انسان مؤمن یا کافر بن جاتا ہے اور اسی عبودیت کے تحت جزا اور سزا مرتب ہوتی ہے۔ جب کہ اختیار و ارادہ نہ رکھنے والے جمادات وحیوانات مؤمن اور کافر نہیں کہلائے جاتے۔

قابل توجہ نکتہ

مذہب جبریہ کے نزدیک بندگی کی یہ تقسیم نہیں ہے۔ نظریہ جبر کے تحت انسان اور جمادات دونوں ایک نظام کے تحت مجبور ہیں اور انسان صاحب اختیار نہیں ہے پھر بھی اس کے عمل پر جزا وسزا مرتب ہوتی ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو مذہب جبر کی نامور علمی اور مستند شخصیت امام غزالی کی احیاء العلوم کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ولا یجری فی الملك والملكوت طرفة عین ولا لفتة خاطر ولا فلتة ناظر الا بقضاء الله وقدره وبارادته ومشیته ومنه الخیر والشر والنفع والضر و الاسلام والكفر والعرفان والمنكر والفوز والخسران والغوایة والرشد والطاعة والعصیان۔[1]

اللہ کی مملکت اور حکومت میں چشم زدن یا تھوڑے ذہنی خیال کے

[1] احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۱۸ الفصل الثالث من کتاب قواعد العقائد

لیے ایک توجہ کی نگاہ کے برابر بھی کوئی بات اللہ کی قضا و قدر، ارادہ و مشیت کے بغیر نہیں چلتی۔ چنانچہ شر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور خیر بھی۔ نفع بھی اللہ کی طرف سے، ضرر بھی۔ اسلام بھی اللہ کی طرف سے ہے اور کفر بھی۔ نیکی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی بھی۔ کامیابی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور ناکامی بھی۔ گمراہی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور ہدایت بھی۔ اطاعت بھی اللہ کی طرف سے ہے اور نافرمانی بھی۔

اس قسم کے نظریۂ جبر کے تحت شریعت کے احکام بھی نظام تکوینی کی طرح ہو جائیں گے۔ جیسا کہ بہار بھی اللہ کی طرف سے ہے، خزاں بھی۔ طلوع بھی اللہ کی طرف سے ہے اور غروب بھی۔ روشنی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور تاریکی بھی۔ پانی کی طراوت بھی اللہ کی طرف سے ہے اور دھوپ کی تمازت بھی۔ اس طرح تکوین و تشریع اور نظام خلقت اور نظام شریعت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ حد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے افعال اور بندوں کے افعال میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ دونوں میں بندے کا کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے۔ قحط خشک سالی کی وجہ سے ہے یا حکمرانوں کی خیانت کی وجہ سے، کوئی فرق نہیں ہے دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اسی طرح بنی امیہ کا ساختہ و بافتہ نظریۂ جبر بھی یہی کہتا ہے: سب اللہ کی طرف سے ہے۔ حکمرانوں کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

نہایت قابل توجہ ہے کہ مشرکین بھی اپنے شرک کے جواز میں یہی نظریہ پیش کرتے ہیں کہ ہمارا شرک اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر اللہ چاہتا ہم شرک نہ کرتے جیسا کہ قرآن میں ہے:

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا...[1]

مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے

[1] الانعام: ۱۴۸

باپ دادا۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰھُمْ ۔ مَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ ۔ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ○ [1]

اور وہ کہتے ہیں: اگر خدائے رحمن چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی پوجا نہ کرتے، انہیں اس کا کوئی علم نہیں یہ تو صرف اندازے لگاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ.... [2]

اور مشرکین کہتے ہیں: اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی پرستش نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔

اس موضوع پر بہترین راہنمائی مولائے متقیان علی علیہ السلام کے فرمان میں موجود ہے۔ جب ایک شامی نے سوال کیا کہ کیا شام کی طرف ہمارا روانہ ہونا اللہ کے قضا و قدر کے مطابق ہے؟ تو آپ (ع) نے ایک طویل خطبے کے بعد فرمایا:

ویحك لعلك ظننت قضاءً لازماً وقدراً حاتماً لو كان ذلك كذلك لبطل الثواب والعقاب وسقط الوعد والوعيد ان الله سبحانه امر عباده تخييراً ونهاهم تحذيراً وكلف يسيراً ولم يكلف عسيراً واعطى على القليل كثيراً ولم يعص مغلوبا ولم يطع مكرها ولم يرسل الانبياء لعبا ولم ينزل الكتب للعباد عبثاً ولا خلق السماوات والارض وما بينهما باطلا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔

---

[1] الزخرف: ۲۰

[2] النحل: ۳۵

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۔[1]

تیرا بھلا ہو تو نے اس (ہمارے شام جانے) کو لازمی فیصلہ اور حتمی تقدیر سمجھ رکھا ہے (جس کے تحت مجبوراً شام جا رہا ہوں) اگر ایسا ہوتا تو ثواب و عقاب بے معنی ہو جاتے اور جزا و سزا کی خبریں بے اعتبار ہو جاتیں۔ اللہ نے امر فرمایا ہے تو (انسان کو) خود مختاری دے کر۔ نہی فرمائی ہے تو خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے۔ تھوڑے کا مکلف بنایا ہے اور عسر و حرج لازم آنے تک کا مکلف نہیں بنایا۔ بے بسی کا گناہ نہیں ہوتا اور جبر کے ساتھ اطاعت نہیں ہوتی۔ انبیاء کو بے مقصد مبعوث نہیں کیا، نہ ہی آسمانی کتابوں کو عبث نازل کیا ہے، نہ ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو بے مقصد خلق کیا، یہ کافروں کا گمان ہے۔ کافروں کے لیے آتش کی تباہی ہے۔

واضح رہے: نظریہ جبر معاویہ کے دور کی پیداوار، سیاسی مقاصد پر مبنی ہے اور اپنی غیر اسلامی حکومتوں کے استحکام کے لیے یہ نظریہ بنایا گیا ہے چونکہ جبر کے تحت حکومت اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا حکومت کے خلاف قیام کرنا اللہ کے خلاف قیام کرنا ہے۔

ہمارا موقف

اس سلسلے میں ہمارا موقف "نہ جبر، نہ تفویض" ہے۔ اشاعرہ جو اہل سنت کا ایک کلامی مذہب ہے کے نزدیک انسان فاعل فعل نہیں آلۂ فعل ہے۔ معتزلہ جو اہل سنت کا دوسرا بڑا کلامی مذہب ہے، ارادۂ انسان کو علت تامہ قرار دیتا ہے۔ کہتے ہیں اللہ نے یہ قدرت انسان کو تفویض کی ہے۔ اب اللہ روک بھی نہیں سکتا، انسان خود جو چاہے کر سکتا ہے۔

قرآن ان دونوں نظریوں کو مسترد کرتا ہے اور اپنے عمل کو "ہدایت" کا نام دیتا ہے۔ چنانچہ ہدایت وہاں ہو سکتی ہے جہاں انسان ترک فعل میں خود مختار ہو۔ جبر

[1] نہج البلاغہ حکمت قصار: ۷۸ ص ۳۸۱

کی صورت میں ہدایت بے معنی ہے۔ ہدایت کا مطلب آزادی ہے۔ چنانچہ مجبور کو امر نہیں دیا جا سکتا، مجبور سے اطاعت نہیں ہو سکتی۔ جو شخص دریا میں غرق ہو رہا ہے اسے بچنے کا حکم دینا بے معنی ہے چونکہ وہ مجبور ہے اس حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

جبر و تفویض والے، انسان کی قدرت اور اللہ کی قدرت کو باہم متضاد سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جبر والوں نے انسان کی قدرت کی نفی کی ہے اور تفویض والوں نے اللہ کی قدرت کی نفی کی ہے۔ شیعہ امامیہ دونوں کی قدرت کے قائل ہیں۔ البتہ انسان کی قدرت، اللہ کی قدرت کے مقابلے میں نہیں، بلکہ اس کے ذیل میں ہے۔

جبر کی صورت میں عقل کی ضرورت نہیں رہتی اور قانون و شریعت کی بھی۔ حیوانات اور دیوانوں کے لیے قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ نظریہ جبر رکھنے والوں کے لیے بھی قانون کی ضرورت نہیں۔ مجبور انسان قانون پر عمل کیسے کرے گا؟ گاڑی اور ڈرائیور میں فرق ہے۔ گاڑی جبر کے تحت اور ڈرائیور عقل و ارادے کے ساتھ ہے۔

بندگی کی حقیقت

عنوان بصری روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: بندگی کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا:

ثلاثة اشياء ان لا يرى العبد لنفسه فيما خوله الله اليه ملكا لان العبيد لا يكون لهم ملك يرون المال مال الله تعالى يضعونه حيث امرهم ولا يدبر العبد لنفسه تدبيراً وجملة اشتغاله فيما امره الله تعالى به ونهاه عنه. فاذا لم ير العبد لنفسه فيما	بندگی کی حقیقت تین چیزوں میں ہے: ۱۔ جو مال اللہ نے اسے دیا ہے اسے اپنی ملکیت نہ سمجھیں کیونکہ غلاموں کو ملکیت کا حق نہیں ہوتا۔ وہ مال کو اللہ کا مال سمجھتے ہیں۔ اسے وہاں رکھتے ہیں جہاں رکھنے کا اللہ نے حکم دیا۔ ۲۔ بندہ اپنے اُمور اپنے ہاتھ میں نہ لے۔ ۳۔ اس کی تمام مصروفیات اللہ کے امر و نہی کی تعمیل میں ہوں۔ جب بندہ اللہ

خوله الله تعالیٰ ملكا هان عليه الانفاق فيما امره الله تعالیٰ ان ينفق فيه واذا فوّض العبد تدبير نفسه على مدبره هان عليه مصائب الدنيا۔
واذا اشتغل العبد بما امره الله تعالیٰ ونهاه لا يتفرغ منهما الى المراء والمباهاة مع الناس فاذا اكرم الله العبد بهذه الثلاث هان عليه الدنيا۔

کے عطا کردہ مال کو اپنا مال نہ سمجھے تو اسے مال خرچ کرنا آسان ہو جائے گا۔ جب بندہ اپنے امور حقیقی مدبر پر چھوڑ دے تو اس پر دنیا کی مصیبت آسان ہو جائے گی۔ جب بندہ اللہ کے امر و نہی میں مصروف ہو گا تو اسے لوگوں کے ساتھ فخر و مباہات و ریاکاری کے لیے فرصت نہیں ملے گی۔ جب اللہ کسی بندے پر ان تین باتوں کے ساتھ فضل وکرم کرے تو اس کی نظر میں دنیا ناچیز ہو جائے گی۔

(مشکاۃ الانوار فی غرر الاخبار ص ۳۲۷۔ باب ۹ فی ذکر المواعظ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

اصول المعاملات تقع على اربعة اوجه معاملة الله. ومعاملة النفس ومعاملة الخلق ومعاملة الدنيا. وكل منها منقسم على سبعة اركان
اما اصول معاملة الله تعالیٰ فسبعة اشياء: اداء حقه وحفظ حده وشكر عطائه والرضا بقضائه والصبر على بلائه وتعظيم حرمته

معاملات کے چار اصول ہیں: اللہ کے ساتھ معاملہ، نفس کے ساتھ معاملہ، مخلوقات کے ساتھ معاملہ اور دنیا کے ساتھ معاملہ۔ ان میں سے ہر ایک کے سات سات ارکان ہیں:
اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کے اصول سات ہیں: اللہ کا حق ادا کرنا، اس کی حدود کی پابندی کرنا، اس کی عنایتوں کا شکر ادا کرنا، اس کے فیصلوں پر راضی رہنا، اس کی آزمائش پر صبر کرنا اور اللہ

والشوق اليه.
واصول معاملة النفس سبعة الخوف والجهد وحمل الاذى والرياضة و طلب الصدق والاخلاص و اخراجها من محبوبها وربطها فى الفقر
واصول معامة الخلق سبعة. الحلم والعفو والتواضع والسخاء والشفقة والنصح والعدل و الانصاف و اصول معاملة الدنيا سبعة الرضا بالدون والايثار بالموجود و ترك طلب المفقود وبغض الكثرة واختيار الزهد ومعرفة آفاتها ورفض شهواتها مع رفض الرائاسة. فاذا حصلت هذه الخصال فى نفس واحدة فهو من خاصة الله وعباده المقربين واوليائه حقاً۔

کی حرمتوں کی تعظیم کرنا اور اللہ کا مشتاق رہنا۔
نفس کے ساتھ معاملہ کے سات اصول ہیں: خوف، سعی، اذیتوں کا تحمل، ریاضت، سچائی کی جستجو، اخلاص، نفس کی خواہشات سے آزادی اور فقیری سے وابستگی۔
مخلوقات کے ساتھ معاملہ کے سات اصول ہیں: بردباری، درگزر، تواضع، سخاوت، ہمدردی، خیر خواہی اور عدل و انصاف۔
دنیا کے ساتھ معاملہ کے سات اصول ہیں: تھوڑے پر راضی ہونا، جو موجود ہے اس کے ساتھ ایثار کرنا، غیر موجود کی طلب نہ کرنا، بہت فراوانی کو ناپسند کرنا، زہد اختیار کرنا، دنیا کی آفتوں کی شناخت کرنا، دنیا کی خواہشات کو مسترد کرنا اور ساتھ ریاست طلبی کو بھی مسترد کرنا، اگر ایک نفس میں یہ خصلتیں موجود ہوں تو وہ اللہ کے خاص اور مقرب بندوں اور برحق اولیاء اللہ میں شامل ہوگا۔

(مصباح الشریعۃ ص ۵)

ایمان کی تعریف

ایمان مادہ امن (ا م ن) سے ہے۔ اس کا اصل معنی امن وسکون کے ہونے اور خوف و اضطراب نہ ہونے سے عبارت ہے۔ چنانچہ "بلداً آمنا" قریۃ آمنہ، پر امن آبادی کو کہتے ہیں۔

اسلام کی تعریف

اسلام سر تسلیم خم کرنے اور رام ہونے کو کہتے ہیں:

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ...[1]

حالانکہ آسمانوں اور زمین کی موجودات نے چار و ناچار اللہ کے آگے سر تسلیم خم کیے ہیں۔

آیت میں "كَرْهًا" ناچار کی صورت کو بھی "اسلم" کہا ہے۔ اگر یہ سر تسلیم خم کرنا علم و یقین کی بنیاد پر نہ ہو، ایسا اسلام اللہ کو قبول نہیں ہے۔ تاہم ایسے لوگوں کو مسلمان شمار کیا جاتا ہے، ان سے مناکحات توارث و دیگر اسلامی معاملات جاری کیے جاتے ہیں اور ان کی جان و مال محفوظ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ....[2]

بدوی لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں کہہ دیجیے: تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو: ہم اسلام لائے ہیں ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

آیت کے اس جملے سے معلوم ہوا ایمان "امر قلبی" ہے۔ اس کا تعلق دل سے ہے۔ صرف زبان سے اظہار کرنا تسلیم ہے۔ یعنی صرف عدم انکار ہے، ایمان نہیں۔ اگر یہ اظہار تسلیم، از روئے علم و یقین اور اطمینان، قلبی ہے تو یہ وہ تسلیم ہے جو اطمینان و سکون کے ساتھ ہے اور اس تسلیم پر ایمان بھی صادق آتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ....[3]

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے

اور فرمایا:

---

[1] آل عمران: ۸۳

[2] الحجرات: ۱۴

[3] آل عمران: ۱۹

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ....[1]

جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہاں ہو گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا صرف زبانی تسلیم کو اسلام کہتے ہیں اور قلبی تسلیم کو ایمان کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا جہاں ایمان ہے وہاں اسلام ضرور ہے لیکن جہاں اسلام ہے وہاں ایمان کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

حدیث ہے:

الایمان اقرار و عمل والاسلام اقرار بلا عمل۔[2]

ایمان قرار اور عمل کا نام ہے، جب کہ اسلام، عمل کے بغیر صرف اقرار کا نام ہے۔

[1] آل عمران: ۸۵

[2] الکافی ۲: ۲۴ کتاب الایمان والکفر

ایمان اور عمل

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

ملعون ملعون من قال الایمان قول بلا عمل

معلون ہے ملعون ہے وہ شخص جو کہتا ہے ایمان صرف قول ہے بغیر عمل کے۔

(کنز الفوائد ۱: ۱۵۰)

دین اسلام پر ایمان لانے کا واضح اور غیر مبہم مطلب یہ ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نظام حیات اور دستور زندگی اللہ تعالٰی کی طرف سے پیش فرمایا ہے وہ برحق ہے۔ اس ایمان کے اثرات کردار پر مترتب ہونا ضروری ہے ورنہ عمل کے بغیر صرف "برحق ہے" کہنے سے نظام حیات نہیں ملتا۔ جس نظام حیات پر ایمان لائے ہیں اسے نہ اپنائیں تو اس ایمان کا کوئی نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ سرے سے ہی ایمان نہیں ہے چونکہ عملاً اس پر ایمان لانے والے اور ایمان نہ لانے والے دونوں ایک جیسے ہیں کیونکہ دستور اسلام سے دونوں بے بہرہ ہیں۔

ایک شخص ایک حکیم کو بہت حاذق مانتا ہے۔ دوسرا اسے سرے سے حکیم ہی نہیں مانتا اور مقام علاج میں دونوں اس سے علاج نہیں کراتے تو کیا ان دونوں میں کوئی فرق رہ جاتا ہے؟!

لہٰذا جہاں ایمان پر عمل ہونا چاہیے وہاں عمل پر بھی ایمان ہونا چاہیے۔ اس صورت میں انسان مؤمن بن سکتا ہے ورنہ اپنے آپ کو مؤمن کہنا اور سمجھنا خود فریبی ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○[1]

کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟

---

[1] العنکبوت: ۲

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ آزمائش عمل کے میدان میں ہوتی ہے۔ اگر عملی میدان میں آزمایا نہ جائے اور صرف "مؤمن" ہونا کافی ہوتا تو "مجاہد" اور "فراری" میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ ایمان کے لیے قربانی دینے والوں اور ایمان کے نام پر استحصال کرنے والوں میں کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ ایثار اور استحصال میں کوئی تمیز نہ ہوتی اور انسانیت کے خدمت گزار اور سفاک وخون خوار میں پہچان نہ ہوتی۔

ایمان و عمل اور آیات قرآنی

ایمان اور عمل ناقابل تفریق ہونے پر صراحت کے ساتھ دلالت کرنے والی کثیر تعداد کی آیات میں سے چند ایک یہاں درج کرتے ہیں جن میں ہر چشم بینا رکھنے والوں کی چشم کشائی کے لیے کفایت کی حجت موجود ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝[1]

اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے کہ ان کے لیے (بہشت کے) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اس میں سے جب بھی کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے بھی مل چکا ہے، حالانکہ انہیں ملتا جلتا دیا گیا ہے اور ان کے لیے جنت میں پاک بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝[2]

---

[1] البقرة:۲۵

[2] البقرة:۸۲

اور جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال بجا لائیں، یہ لوگ اہل جنت ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○[1]

البتہ جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل بجا لائیں نیز نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان کے لیے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○[2]

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اللہ انہیں ان کا پورا صلہ دے گا اور اللہ ظالموں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ○[3]

اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ہیں انہیں ہم جلد ہی ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ابد تک رہیں گے، جن میں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہیں اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کریں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ

---

[1] البقرۃ: ۲۷۷
[2] آل عمران: ۵۷
[3] النساء: ۵۷

اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيۡلًا ○[1]

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں عنقریب ہم انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ وہاں ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا سچا وعدہ ہے اور بھلا اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ○[2]

پھر ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں کو اللہ ان کا پورا اجر دے گا اور انہیں اپنے فضل سے مزید عطا کرے گا اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا انہیں اللہ دردناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی سرپرست اور نہ کوئی مددگار پائیں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ○[3]

اللہ نے ایمان والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں سے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا

---

[1] النساء:۱۲۲

[2] النساء:۱۷۳

[3] المائدۃ:۹

وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝[1]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ان کی ان چیزوں پر کوئی گرفت نہ ہوگی جو وہ کھا پی چکے بشرطیکہ (آئندہ) پرہیز کریں اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک اعمال بجا لائیں پھر پرہیز کریں اور ایمان پر قائم رہیں پھر پرہیز کریں اور نیکی کریں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ ؗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝[2]

اور ایمان لانے والے اور نیک اعمال بجا لانے والے اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، ہم کسی کو (نیک اعمال کی بجا آوری میں) اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتے۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝[3]

تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے، اللہ کا وعدہ حق پر مبنی ہے، وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے انہیں انصاف کے ساتھ جزا دے اور جو کافر ہوئے انہیں اپنے کفر کی پاداش میں کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور انہیں دردناک عذاب (بھی) بھگتنا ہوگا۔

---

[1] المائدۃ: ۹۳

[2] الاعراف: ۴۲

[3] یونس: ۴

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ○[1]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے بے شک ان کا رب ان کے ایمان کے سبب انہیں نعمتوں والی جنتوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ○[2]

البتہ صبر کرنے والے اور نیک اعمال بجا لانے والے ایسے نہیں ہیں ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○[3]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے رہے یقیناً یہی اہل جنت ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ○[4]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے ان کی نیک نصیبی ہے اور ان کے لیے بہترین ٹھکانا ہے۔

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ○[5]

اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اپنے رب کی اجازت

[1] یونس: ۹
[2] ھود: ۱۱
[3] ھود: ۲۳
[4] الرعد: ۲۹
[5] ابراھیم: ۲۳

سے وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، وہاں (آپس میں) ان کی تحیت سلام ہو گی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝[1]

جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں تو ہم نیک اعمال بجا لانے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝[2]

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے ہیں ان کی میزبانی کے لیے یقیناً جنت الفردوس ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝[3]

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے ہیں ان کے لیے رحمن عنقریب دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝[4]

اللہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں کو یقیناً ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اللہ جس چیز کا ارادہ کر لیتا ہے اسے یقیناً کر گزرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

---

[1] الکہف: ۳۰
[2] الکہف: ۱۰۷
[3] مریم: ۹۶
[4] الحج: ۱۴

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ○[1]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ہیں اللہ یقیناً انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے ان کی آرائش کی جائے گی اور ان جنتوں میں ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○[2]

پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○[3]

اس روز بادشاہی صرف اللہ ہی کی ہو گی، وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، لہٰذا جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال بجا لائے وہ نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○[4]

تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے

[1] الحج: ۲۳
[2] الحج: ۵۰
[3] الحج: ۵۶
[4] النور: ۵۵

ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں اس طرح جانشین ضرور بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو جانشین بنایا اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسندیدہ بنایا ہے اسے پائدار ضرور بنائے گا اور انہیں خوف کے بعد امن ضرور فراہم کرے گا، وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے پس وہی فاسق ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ○[1]

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے اور کثرت سے اللہ کو یاد کریں اور مظلوم واقع ہونے کے بعد انتقام لیں اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام کو پلٹ کر جائیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ○[2]

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ہم ان سے ان کی برائیاں ضرور دور کر دیں گے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کا صلہ بھی ضرور دیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ○[3]

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے انہیں ہم بہرصورت

---

[1] الشعراء:۲۲۷
[2] لعنکبوت:۷
[3] العنکبوت:۹

صالحین میں شامل کریں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝[1]

اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں ہم انہیں جنت کے بلند و بالا محلات میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، عمل کرنے والوں کے لیے کیا ہی اچھا اجر ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝[2]

پھر جنھوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال انجام دیے وہ جنت میں خوشحال ہوں گے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝[3]

تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال انجام دینے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے، بے شک وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝[4]

جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال انجام دیں ان کے لیے نعمت والے باغات ہوں گے۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝[5]

---

[1] (العنکبوت:۵۸)

[2] الروم:۱۵

[3] الروم:۴۵

[4] لقمان:۸

[5] السجدة:۱۹

مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے جنتوں کی قیام گاہیں ہیں، یہ ضیافت ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ انجام دیا کرتے تھے۔

لِّيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ○[1]

تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل انجام دینے والوں کو جزا دے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ○[2]

جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے شدید عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ○[3]

داؤد کہنے لگے: تیری دنبی اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کر کے یقیناً یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں، پھر داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور عاجزی کرتے ہوئے جھک گئے اور

---

[1] سبأ: ۴
[2] فاطر: ۷
[3] ص: ۲۴

(اللہ کی طرف) رجوع کیا۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ○[1]

کیا ہم ایمان لانے اور اعمال صالح بجا لانے والوں کو زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح قرار دیں یا اہل تقویٰ کو بدکاروں کی طرح قرار دیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ ○[2]

اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے نیز نہ ہی ایماندار اور عمل صالح بجالانے والے اور بدکار، تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ○[3]

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے یقیناً ان کے لیے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ ۖ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ○[4]

آپ ظالموں کو اپنے اعمال کے سبب ڈرتے ہوئے دیکھیں گے اور وہ ان پر واقع ہونے والا ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے ہیں وہ جنت کے گلستانوں میں ہوں گے، ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس جو وہ چاہیں گے

---

[1] ص: ۲۸
[2] غافر: ۵۸
[3] فصلت: ۸
[4] الشوریٰ: ۲۲

موجود ہوگا، یہی بڑا فضل ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝[1]

یہ وہ بات ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو خوشخبری دیتا ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالح بجا لاتے ہیں، کہہ دیجیے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے اور جو کوئی نیکی کمائے ہم اس کے لیے اس نیکی میں اچھا اضافہ کرتے ہیں، اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، قدردان ہے۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝[2]

اور (اللہ) ایمان لانے والوں اور اعمال صالح بجا لانے والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝[3]

برائی کا ارتکاب کرنے والے کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں اور ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں کو ایک جیسا

---

[1] الشوری: ۲۳
[2] الشوری: ۲۶
[3] الجاثیہ: ۲۱

بتائیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے؟ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ○[1]

پھر جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یہی تو نمایاں کامیابی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰي مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○[2]

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال بجا لائے اور جو کچھ محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اس پر بھی ایمان لائے اور ان کے رب کی طرف سے حق بھی یہی ہے، اللہ نے ان کے گناہ ان سے دور کر دیے اور ان کے حال کی اصلاح فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ○[3]

اللہ ایمان لانے والوں اور صالح اعمال بجا لانے والوں کو یقیناً ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہو گئے وہ لطف اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں تو جانوروں کی طرح کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ

---

[1] الجاثیہ: ۳۰

[2] محمد: ۲

[3] محمد: ۱۲

بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝[1]

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع، سجود میں دیکھتے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں سجدوں کے اثرات سے ان کے چہروں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف توریت میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی ان کے یہی اوصاف ہیں، جیسے ایک کھیتی جس نے (زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اس طرح کفار کا جی جلائے، ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝[2]

ایک ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے

---

[1] الفتح: ۲۹
[2] الطلاق: ۱۱

تاکہ وہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق دے رکھا ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ○[1]

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح اعمال بجالائے، ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ○[2]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہی بڑی کامیابی ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ○[3]

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، پس ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○[4]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے یقیناً یہی لوگ مخلوقات میں بہترین ہیں۔

---

[1] الانشقاق:۲۵
[2] البروج:۱۱
[3] التین:۶
[4] البینہ:۷

إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝[1]

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے ہیں اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

احادیث میں ایمان اور عمل

قرآن مجید کے تواتر نصوص کے بعد احادیث کا ذکر ضروری نہیں تاہم چند ایک احادیث کا ذکر کرتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے سوال ہوا: کیا ایمان قول اور عمل دونوں پر مشتمل ہے یا صرف قول پر؟ آپ (ع) نے فرمایا:

الایمان تصدیق بالجنان واقرار باللسان وعمل بالارکان وھو عمل کلہ۔[2]

ایمان دل سے تصدیق زبان سے اقرار اور اعضاء کے ذریعے عمل کا نام ہے اور ایمان کل کا کل عمل سے عبارت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:

ملعون ملعون من قال الایمان قول بلا عمل۔[3]

ملعون ہے معلون ہے وہ شخص جو کہتا ہے ایمان صرف قول ہے بغیر عمل کے۔

حدیث کی یہ عبارت "ایمان عمل سے عبارت ہے" قرآن مجید کی آیت کی تشریح ہے:

تحویل قبلہ کے موقع پر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: ہماری ان نمازوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدس کی

---

[1] العصر: ۳

[2] بحار الانوار ج ۲۶ ص ۷۳ باب ۳۰

[3] کنز الفوائد ج ۱ ص ۱۵۰

طرح رخ کر کے پڑھی گئی ہیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○[1]

اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا، اللہ تو لوگوں کے حق میں بڑا مہربان رحیم ہے

اس آیت میں نماز کو ایمان کہا ہے چونکہ نماز ایمان کی عملی صورت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ○[2]

جو اللہ کے حضور جانے کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

لہذا مؤمن وہ ہے جو ایمان پر عمل کرتا ہو اور عمل پر ایمان رکھتا ہو:

كان علي يقول: لو كان الايمان كلاماً لم ينزل فيه صوم ولا صلوة ولا حلال ولا حرام۔[3]

حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: اگر ایمان صرف کلام ہوتا تو روزہ، نماز اور حلال و حرام کا حکم نازل نہ ہوتا۔

[1] البقرة: ۱۴۳

[2] الكهف: ۱۱۰

[3] الكافي ۲: ۳۳ كتاب الايمان والكفر

اخلاص در عمل

حضرت علی علیہ السلام

بالاخلاص یکون الخلاص

اخلاص ہی سے خلاصی ملے گی۔

(الکافی ۲: ۴۶۸ کتاب الدعا)

عبادت کا اللہ کے لیے واقع ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ یہ عبادت خالصۃً اللہ کی ہو۔ اخلاص کی یہ تعریف کی گئی ہے:

هو تنزيه العمل عن ان يكون لغير الله فيه نصيب۔[1]

عمل کو اس طرح پاک رکھنا کہ اس میں اللہ کے علاوہ کسی اور کا کوئی حصہ نہ ہو۔

اس طرح عبادت وہ ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بجالائی جائے۔

اخلاص نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس عمل میں اللہ کی خوشنودی کے ساتھ کوئی اور غرض بھی شامل ہو۔ وہ عمل مسترد ہوگا جس میں غیر خدا کے لیے ہونے کا شائبہ ہو اور اللہ کے ساتھ دوسری غرض کو بھی معبود بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس عبادت کو قبول نہیں کرے گا جس میں اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہو۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عبادت سرے سے اللہ کے لیے نہیں ہے، اللہ کے علاوہ دیگر اغراض کے لیے یہ عمل انجام دیا جا رہا ہے۔ جب اللہ کے ساتھ کوئی اور شریک ہوگا تو وہ عبادت نہیں ہوتی تو جس میں اللہ تعالیٰ شریک بھی نہ ہو تو وہ عبادت کیسے ہو سکتی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

تصفية العمل اشد من العمل و تخليص النية من

[1] مرآۃ العقول فی شرح اخبار آل الرسول ج ۷ ص ۸۱

الفساد اشد علی العاملین من طول الجهاد۔[1]
عمل کو خالص کرنا خود عمل سے زیادہ مشکل ہے اور نیت کو فاسد ہونے سے بچانا عمل کرنے والوں کے لیے طویل جہاد سے زیادہ دشوار ہے۔
حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ (ع) فرمایا کرتے تھے:
طوبیٰ لمن اخلص للہ العبادۃ والدعاء۔[2]
جو عبادت اور دعا خالصۃً اللہ کے لیے انجام دیتا ہے اسے خوشخبری ہو۔
نیز آپؑ سے روایت ہے:
بالاخلاص یکون الخلاص۔[3]
اخلاص ہی سے خلاصی (نجات) ملے گی۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:
ما بین الحق والباطل الا قلۃ العقل قیل: و کیف ذلک یا ابن رسول اللہ؟ قال: ان العبد لیعمل العمل الذی ھو للہ رضاً فیرید بہ غیر اللہ فلو انہ اخلص للہ لجاءہ الذی یرید فی اسرع من ذلک۔[4]
حق اور باطل کے درمیان صرف عقل کی کمی ہے۔ کسی نے پوچھا: وہ کیسے اے فرزند رسول (ص)؟! فرمایا: جو عمل برائے رضائے خدا بجا لانا چاہیے تھا، بندہ اسے غیر خدا کے لیے انجام دیتا ہے۔ اگر یہ شخص اس عمل کو خالصتاً اللہ کے لیے انجام دیتا تو اس کی مراد کی جلد برآوری ہو جاتی۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

[1] الکافی ۸: ۲۳ خطبۃ امیر المؤمنین ع
[2] الکافی ۲: ۱۶ باب الاخلاص
[3] الکافی ۲: ۴۶۸ کتاب الدعا
[4] الوسائل ۱: ۶۱ باب ۸ وجوب الاخلاص

وادنى حد الاخلاص بذل العبد طاقته ثم لا يجعل لعمله عند الله قدراً۔[1]

اخلاص کی کمترین حد یہ ہے کہ بندہ اپنی پوری طاقت صرف کرے پھر اپنے عمل کو اللہ کے ہاں ناچیز سمجھے۔

حدیث نبوی:

ان لکل حق حقیقة وما بلغ عبد حقیقة الاخلاص حتی لا یحب ان یحمد علی شئی من عمل لله۔[2]

ہر حق کی حقیقت ہوتی ہے اور بندہ اخلاص کی حقیقت تک نہیں پہنچتا جب تک جو کام اللہ کے لیے کیا ہے اس پر لوگوں کی تعریف کی خواہش نہ کرے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

الابقاء علی العمل اشد من العمل۔[3]

عمل کو برقرار رکھنا خود عمل سے مشکل ہے۔

سوال ہوا: عمل کا برقرار رکھنا کیا ہے؟ فرمایا:

یصل الرجل بصلة وینفق نفقة لله وحده لا شریك له فکتب له سراً ثم یذکرها فتکتب له علانیة ثم یذکرها۔ فتمحی وتکتب له ریاءً۔[4]

جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے اور اللہ وحدہ لاشریک کے لیے مال خرچ کرتا ہے تو اس کے لیے پوشیدہ طور پر عمل کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔ پھر وہ اس کا لوگوں میں ذکر کرتا ہے تو اسے علانیہ عمل کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ پھر وہ اس عمل کا سہ بارہ ذکر کرتا

---

[1] مصباح الشریعة ص ۷۳ باب ۱۶ فی الاخلاص

[2] روضة الواعظین وبصیرة المتعظین ۲: ۴۱۳

[3] الکافی ۲: ۲۹۶ باب الریاء

[4] الکافی ۲: ۲۹۶ باب الریاء

ہے تو اس عمل کو مٹا دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ ریاکاری لکھی جائے گی۔

حدیث ہے:

اعظم العبادۃ اجراً اخفاھا۔[1]

عظیم تر عبادت وہ ہے جو پوشیدہ طور پر بجا لائی جائے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

العمل کلہ ھباء الا ما اخلص فیہ۔[2]

تمام اعمال اڑتی ہوئی خاک کی طرح ہیں سوائے ان اعمال کے جن میں اخلاص ہو۔

آفۃ العمل ترک الاخلاص۔[3]

عمل کی آفت ترک اخلاص ہے۔

صفتان لا یقبل اللہ سبحانہ الاعمال الا بھما التقی والاخلاص۔[4]

دو صفات ایسی ہیں جن کے بغیر اللہ تعالیٰ اعمال قبول نہیں فرماتا: ایک تقویٰ اور دوسری اخلاص۔

من رغب فیما عند اللہ اخلص عملہ۔

(غرر الحکم ۱۵۵ ح ۲۹۰۷)

جسے اللہ کے ہاں موجود (ثواب) کی خواہش ہے وہ اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے۔

❁❁❁❁❁

[1] الوسائل ۱: ۷۹۔ قرب الاسناد ص ۱۳۵

[2] غرر الحکم ص ۱۵۵ حکمت: ۲۸۹۶

[3] غرر الحکم ص ۱۵۵ ح ۲۹۰۲

[4] غرر الحکم ص ۱۵۵ حکمت ۲۹۱۳

اپنے عمل پر اترانا

حضرت علی علیہ السلام

سیئۃ تسوؤک خیر من حسنۃ تعجبک

وہ گناہ جو خود تجھے برا لگے بہتر ہے اس نیکی سے جو تجھے خود پسندی میں مبتلا کر دے۔

(غرر الحکم ص ۲۰۸ ح ۷۰۸۱)

اپنی نیکی پر اترانے اور اللہ کی بندگی کے بارے میں خود پسندی سے نیکی ختم اور محو ہو جاتی ہے۔ اللہ کی بندگی کے سراسر خلاف ہے کہ بندہ یہ خیال کرے کہ میں کیا خوب نیکی کر رہا ہوں، میری خدمات بہت زیادہ ہیں۔ اگر آپ کے مہربان استاد برسوں بعد آپ کے مہمان بن جائیں اور آپ اپنی بساط سے زیادہ ان کی خدمت کریں اور انہیں رخصت کرتے ہوئے ان سے یہ کہیں: میں نے آپ کی بہت خدمت کی ہے تو آپ کی خدمت کی قدر ختم ہو جائے گی۔ آداب یہ ہیں کہ اپنی بساط سے زیادہ خدمت کر کے یہ اظہار کریں: معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت کا حق ادا نہ ہو سکا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

ولو لم یخوف اللہ الناس بجنۃ و نار لکان الواجب علیھم ان یطیعوہ ولا یعصوہ لتفضلہ علیھم واحسانہ الیھم وما بدأھم بہ من انعامہ الذی ما استحقوہ۔[1]

اگر اللہ لوگوں کو جنت و جہنم کا خوف نہ دلاتا تو بھی ان پر واجب تھا کہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی نہ کریں، اس فضل و کرم اور اس احسان کی وجہ سے اور جو نعمت اس نے از خود عنایت فرمائی ہے جس کے وہ مستحق نہ تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

آفۃ الدین الحسد والعجب والفخر۔[2]

[1] عیون اخبار الرضا ع ۲: ۱۸۰ باب ۳۴

[2] الکافی ۲: ۳۰۷ باب الحسد

دین کی آفت حسد، خود پسندی اور فخر ہے۔
حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:
سیئة تسوؤك خیر من حسنة تعجبك.[1]
وہ گناہ جو خود تجھے برا لگے بہتر ہے اس نیکی سے جو تجھے خود پسندی میں مبتلا کر دے۔
عاص یقرّ بذنبه خیر من (عامل مفتخر بعمله).[2]
وہ گناہ گار جو اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے بہتر ہے اس عمل گزار سے جو اپنے عمل پر فخر کرتا ہے۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک عالم عابد حاضر ہوا۔ امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کیف صلوتك تمہاری نمازوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: مجھ جیسے آدمی کی نماز کے بارے میں آپ پوچھتے ہیں! میں کتنی مدت سے اللہ کی عبادت کر رہا ہوں۔ فرمایا کیف بکاءك؛ تمہارا (خوف خدا سے) گریہ کیسا ہے؟ اس نے کہا: میں روتا ہوں یہاں تک کہ آنسو میرے رخساروں پر جاری ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

فان ضحکك وانت خائف افضل من بکاءك وانت مدل ان المدل لا یصعد من عمله شیء.[3]

خوف کے ساتھ تیرا ہنسنا بہتر ہے ناز کے ساتھ رونے سے۔ اپنے عمل پر ناز کرنے والے کا کوئی عمل اوپر نہیں جاتا۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:
العجب کل العجب ممن یعجب بعمله ولا یدری بم یختم له فمن اعجب بنفسه وفعله فقد ضل عن منهج

[1] غرر الحکم ص ۳۰۸، ح ۷۰۸۱
[2] مستدرک الوسائل ۱۲: ۱۱۷ _ باب ۲۳
[3] الکافی ۲: ۳۱۳ باب العجب

الرشاد۔[1]

تعجب اور مکمل تعجب ہے اس شخص پر جو اپنے عمل پر ناز کرتا ہے اور اسے نہیں معلوم کہ اس کا خاتمہ (عاقبت) کیا ہوگا۔ پس جو اپنے اور اپنے عمل کے بارے میں خود پسندی میں مبتلا ہوا وہ ہدایت کی راہ سے بھٹک گیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

قال ابلیس لعنة الله علیه لجنوده: اذا استمکنت من ابن آدم فی ثلاث لم ابال ما عمل فانه غیر مقبول منه. اذا استکثر عمله ونسی ذنبه ودخله العجب.[2]

ابلیس لعنة الله علیه نے اپنے لشکر سے کہا: اگر اولاد آدم کو تین چیزوں پر قابو کر لو تو مجھے اس کے عمل کی کوئی پرواہ نہیں چونکہ اس کا عمل قبول نہ ہوگا۔ ۱۔ وہ اپنے عمل کو کثیر سمجھے۔ ۲۔ وہ اپنے گناہوں کو بھول جائے۔ ۳۔ اس میں خود پسندی آ جائے۔

امام علیہ السلام سے روایت ہے:

قال دخل رجلان المسجد احدهما عابد والآخر فاسق، فخرجا من المسجد والفاسق صدیق والعابد فاسق، و ذلك انه یدخل العابد المسجد مدلا بعبادته یُدل بها، فتکون فکرته فی ذلك و تکون فکرة الفاسق فی التندم علی فسقه ویستغفر الله عزوجل مما صنع من الذنوب.[3]

دو شخص مسجد میں داخل ہوتے ہیں، ان میں ایک عابد اور دوسرا فاسق ہے۔ جب دونوں مسجد سے نکلتے ہیں تو فاسق سچا بن کر اور عابد فاسق بن کر نکلا۔ وہ اس طرح کہ عابد جب مسجد میں داخل

---

[1] مصباح الشریعة ص ۸۱ باب ۳۶

[2] الخصال ۱: ۱۱۲

[3] الکافی ۲: ۳۱۴ باب العجب

ہوا تو وہ اپنی عبادت پر ناز کر رہا تھا اور وہ اسی سوچ میں تھا، جب کہ فاسق کی سوچ ندامت کی تھی اور وہ اللہ عز وجل سے اپنے گناہوں کے لیے استغفار کر رہا تھا۔

راوی کہتا ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا:

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ۝[1]

فقال: هو قول الانسان صليت البارحة وصمت امس و نحو هذا ثم قال عليه السلام: ان قوما كانوا يصبحون فيقولون صلينا البارحة وصمنا امس فقال علی علیه السلام: لكني انام الليل والنهار ولو اجد بينهما شيئاً لنمته.[2]

پس اپنے نفس کی پاکیزگی نہ جتاؤ، اللہ پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔

فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ کہے کہ گزشتہ رات میں نے نماز پڑھی، کل میں نے روزہ رکھا اور اس قسم کی باتیں۔

پھر فرمایا: کچھ لوگ جب صبح کے وقت کہتے تھے: گزشتہ شب ہم نے نماز پڑھی، کل ہم نے روزہ رکھا۔ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: مگر میں رات اور دن میں سوتا ہوں۔ اگر دن رات کے درمیان کوئی وقت ہوتا تو میں اس میں بھی سو جاتا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص داخل ہوا اور وہ خوش تھا۔ فرمایا: مالی اراك مسروراً. کیا بات ہے میں تجھے بہت خوش دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا: فرزند رسولؐ! میں نے آپ کے والد گرامی سے سنا ہے:

احق یوم بأن یسر العبد فيه يوم يرزقه الله صدقات

---

[1] النجم: ۳۲

[2] الزهد ص ۶۲ باب ۱۱۔ تالیف: حسین بن سعید اھوازی

ومبرّات و ستّ خلات من اخوان له مؤمنين و انه قصدنی اليوم عشرة من اخوانی المومنين الفقراء لهم عيالات فقصدونی من بلد کذا و کذا فاعطيت کل واحد منهم فلهذا سروری. فقال محمد بن علی عليه السلام لعمری انك حقيق بأن تسرّ ان لم تکن احبطته او لم تحبطه فيما بعد قال الرجل: و کيف احبطته وانا من شيعتکم الخُلّص؛ قال هاه قد ابطلت بِرّكَ باخوانك وصدقاتك قال: کيف ذلك يا ابن رسول الله قال له محمد بن علی اقرأ قول الله عزوجل يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی. قال الرجل: يا ابن رسول الله ما مننت علی القوم الذين تصدقت عليهم ولا آذيتهم قال له محمد بن علی عليه السلام: ان الله عزوجل قال لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ولم يقل لا تبطلوا بالمن علی من تتصدقون عليه وبالاذی لمن تتصدقون عليه وهو کل اذیً.[1]

بندے کے لیے خوشی کا سزاوار وہ دن ہے جس میں اللہ اسے اپنے مؤمن برادران پر تصدق، احسان اور نیکی کرنے کی توفیق دے۔ آج میرے غریب برادران میں سے دس افراد دوسرے علاقوں سے میرے پاس آئے اور وہ عیالدار تھے۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کو کچھ دے دیا۔ اسی لیے میں خوش ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم نے اپنا عمل باطل نہ کیا ہوتا تو واقعاً خوش ہونا چاہیے تھا۔ کیا تو نے بعد میں اس عمل کو باطل نہیں کیا؟ اس شخص نے کہا میں نے اپنا عمل کس طرح باطل کیا جب کہ میں

[1] مستدرک الوسائل ۷: ۲۳۲

آپ کے مخلص ترین شیعوں میں سے ہوں؟ فرمایا: تم نے اپنے برادران پر جو نیکی کی اور صدقات دیے انہیں تم نے باطل کر دیا۔ اس نے کہا: وہ کیسے اے فرزند رسول (ص)؟ امام (ع) نے فرمایا: اللہ عزوجل کا یہ فرمان پڑھو: "اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر برباد نہ کرو۔" اس شخص نے کہا: فرزند رسولؐ! میں نے ان لوگوں پر احسان بھی نہیں جتایا، نہ اذیت دی جنہیں میں نے خیرات دی ہے۔ امام (ع) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اپنے خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر برباد نہ کرو۔" یہ نہیں فرمایا: خود ان پر احسان جتا کر یا اذیت دے کر جنہیں خیرات کی ہے بلکہ اذیت مراد ہے۔

اس حدیث سے ہر مومن کو نیکی کرنے کے آداب سیکھنے چاہئیں اور اپنی نیکیوں کو دوسروں سے ذکر کر کے برباد نہیں کرنا چاہیے:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ○[1]

نرم کلامی اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد (خیرات لینے والے کو) اذیت دی جائے اور اللہ بڑا بے نیاز بردبار ہے۔

کسی حاجت مند کے سوال کا اچھے پیرائے میں جواب دینا یا اس کے لیے دعا کرنا، نیز غیر مؤدبانہ انداز میں سوال کرنے والے شخص سے درگزر کرنا، اس بات سے بہتر ہے کہ اسے کچھ دے کر اور بعد میں طعنہ دے کر اذیت پہنچائی جائے اور اس کی عزت نفس مجروح کی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۔۔[2]

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت

[1] البقرة: ۲۶۳

[2] البقرة: ۲۶۴

دے کر برباد نہ کرو۔

احسان جتانا بدخصلت ہونے کی علامت ہے اور احسان کرنے والے کی نیکی درحقیقت احسان نہیں ہے بلکہ ایک سودے بازی ہے، تا کہ کوئی مفاد حاصل کیا جائے۔ کم از کم یہی کہ اپنی بڑائی منوائی جائے۔ اللہ کے ہاں ایسے صدقات کا برباد اور باطل ہونا ایک طبعی امر ہے۔

اپنے عمل کے بارے میں کیا موقف ہونا چاہیے

حضرت علی علیہ السلام

آہ من قلة الزاد طول الطریق وبعد السفر

افسوس زادِ راہ تھوڑا راستہ طویل اور سفر دور دراز ہے

(نہج البلاغة حکمت: ۷۷)

بندگی کے آداب میں سے ایک اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی عظمت اور اس کی بے شمار نعمتوں کے مقابلے میں اپنے عمل کو حقیر، ناچیز سمجھے اور ہر ممکن عبادت کرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں اپنی کوتاہی اور قصور کی معذرت چاہے کہ بندگی کا ادنیٰ ترین حق بھی ادا نہ ہوا۔ بندہ خواہ کتنی عبادت کرے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو جائے۔ کسی نبی مرسل اور کسی ملک مقرب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا ہے۔

یہاں سے ہمیں انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا استغفار کرنا سمجھ میں آتا ہے کہ وہ معصوم ہونے کے باوجود مغفرت کیوں طلب کرتے تھے۔ ہمارا ذہن یہ کہتا ہے گناہ سرزد ہو تو مغفرت طلب کرے، نافرمانی ہو تو استغفار کرے۔ معصومینؑ کی طرف سے طلب مغفرت ایسی نہیں ہے بلکہ اللہ کے خاص بندے جو معرفت حق سے سرشار اور عظمت الٰہی سے واقف ہیں اور اللہ کی ناقابل شمار نعمتوں کا بہتر احساس رکھتے ہیں، وہ اس بات پر استغفار کرتے ہیں کہ بندگی کا حق ادا نہ ہوا۔

یہاں سے معلوم ہوا عصمت اور استغفار میں کوئی منافات نہیں ہے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان قابل توجہ ہے:

ما عبدناك حق عبادتك وما عرفناك حق معرفتك.[1]
ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی کہ عبادت کا حق ادا ہو جائے،
نہ ہی ایسی معرفت حاصل کی جس سے معرفت کا حق ادا ہو جائے۔
مولائے متقیان امیر المؤمنین علیہ السلام کی سیرت طیبہ میں ہمیں پوری وضاحت سے یہ بات مل جاتی ہے کہ بندگی کے آداب ولوازم کیا ہیں۔ ضرار الضبائی روایت کرتے ہیں:

میں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کو اس وقت دیکھا جب رات کی تاریکی چھا چکی تھی۔ آپ محراب عبادت میں کھڑے اپنے ریش مبارک ہاتھ میں لیے ہوئے مارگزیدہ کی طرح کراہ رہے تھے اور فرما رہے تھے:

آہ من قلة الزاد وطول الطريق وبعد السفر وعظيم المورد.[2]

افسوس: زاد راہ تھوڑا اور راستہ طویل اور سفر دور دراز ہے اور عظیم بارگاہ میں وارد ہونا ہے۔

وہ علی علیہ السلام جن کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے، فرما رہے ہیں: زاد راہ تھوڑا اور سفر طویل ہے۔

میں کہتا ہوں:

میرے مولا! آپ قسیم النار والجنة ہیں۔ آپ گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ اسلام کے لیے سب سے بڑا جہاد آپ نے کیا۔ محراب عبادت میں آپ کی طرح کوئی عبادت اور گریہ نہیں کر سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ کی تلوار نے اسلام کو فتح ونصرت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[1] بحار الانوار ۶۸: ۲۳ باب ۶۱ الشکر
[2] نہج البلاغۃ حکمت: ۷۷ ص ۳۸۱

کے بعد آپ کے صبر نے اسلام کو تحفظ دیا۔ مولا! جب آپ کو پچیس سال بعد حکومت ملی تو کسی کو آپ کی حکومت پسند نہیں آئی اور آپ کے ساتھ جنگیں لڑیں۔

مولا! اسی لیے قیامت کے دن آپ کی بات چلے گی۔ آپ کے پروانہ کے بغیر کوئی صراط عبور نہیں کر سکے گا اور آپ اعراف کی بلندی سے اذان دیں گے اور ظالموں پر لعنت کا اعلان کریں گے جس طرح منیٰ میں حج اکبر کے دن برائت از مشرکین کا اعلان فرمایا!!

آپ (ع) فرماتے ہیں زاد راہ تھوڑا ہے!

مولا کا جواب یہ ہوگا: اے راز بندگی اور سر عبودیت سے ناواقف! بندگی یہ نہیں ہے کہ بندہ اپنی عبادت پر اترائے۔ اپنی تھوڑی سی عبادت کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے کوئی چیز سمجھے۔ یہ، صرف یہ نہیں ہے کہ بندگی نہیں ہے بلکہ عبودیت کے بھی منافی اور شان الٰہی میں گستاخی ہے۔

نیز ہمارے لیے قابل توجہ یہ ہے کہ انسان کسی بندے پر احسان کر کے اسے جتائے تو احسان برباد ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى .....[1]

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر برباد نہ کرو۔

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

احيوا المعروف بأماتته فان المنة تهدم الصنيعة.[2]

[1] بقرة: ۲۶۴

[2] غرر الحکم و درالکلم ص ۳۸۱ آفات الجود و العطاء

احسان کو صفحہ ذہن سے مٹا کر اسے زندہ رکھو چونکہ جتانے سے احسان برباد ہو جاتا ہے۔

جب بندے پر احسان کر کے جتانے سے احسان برباد ہو جاتا ہے تو خالق کی بندگی کو جتائے تو نہ صرف بندگی برباد ہو جائے گی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے کہ اپنی حقیر سی عبادت کو اہمیت دے اور اسے اپنے ذہن و خیال میں کوئی چیز سمجھے کہ اس نے اللہ کی خدمت میں پیش کی ہے۔

نیت صادقہ

کسی کام کے انجام دینے کے اصل محرک کو "نیت" کہتے ہیں۔ اس محرک کے ہونے کی وجہ سے اس کام کو بجا لایا جاتا ہے۔ نیت کے نہ ہونے کی صورت میں اس کام کو انجام نہیں دیا جا سکتا۔

انسان کے عمل کا دار و مدار نیت پر ہے۔ نیت سچی ہے تو عمل سچا ہے۔ اگر نیت سچی نہیں ہے تو عمل بھی سچا نہیں ہے۔ عمل کے سچا نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عمل جس کے لیے انجام دینا تھا اس کے لیے نہیں کسی اور مقصد کے لیے انجام دیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

نية المؤمن خير من عمله ونية الكافر شر من عمله.[1]

مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر اور کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہے۔

عمل کو قیمت دینے والی "نیت" ہے اور نیت امر قلبی ہے۔ اس میں دکھاوا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ زید الشحام روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

---

[1] الکافی ۲: ۸۴ باب النیۃ

میں نے آپ (ع) کو یہ فرماتے سنا ہے: مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ نیت عمل سے بہتر کیسے ہوتی ہے؟

فرمایا:

لان العمل ربما کان ریاءً للمخلوقین والنیة خالصة لرب العالمین فیعطی عزوجل علی النیة ما لا یعطی علی العمل۔[1]

چونکہ عمل کبھی مخلوق کے دکھاوے کے لیے انجام دیا جاتا ہے اور نیت رب العالمین کے لیے خالص ہوتی۔ اس لیے نیت کا جو کچھ (ثواب) دیا جائے گا وہ عمل کا نہیں ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

نیة المؤمن افضل من عمله وذلك لانه ینوی من الخیر ما لا یدرکه ونیة الکافر شر من عمله وذلك لان الکافر ینوی الشر ویأمل من الشر ما لا یدرکه۔[2]

مؤمن کی نیت اس کے عمل سے افضل ہے۔ اس لیے کہ مؤمن کار خیر کی نیت کرتا ہے لیکن وہ کر نہیں سکتا اور کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر اس لیے ہے کہ وہ شر کی نیت کرتا ہے لیکن وہ کر نہیں پاتا۔

دوسری روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس حدیث کی یہ تشریح فرمائی ہے:

ان العبد لینوی من نهاره ان یصلی باللیل فتغلبه عینه فینام فیثبت الله له صلاته ویکتب نفسه تسبیحا

---

[1] الوسائل ۱: ۵۳۔ علل الشرائع ۲: ۵۲۴ باب ۳۱۱ ح ۱

[2] الوسائل ۱: ۵۴

ویجعل نومه علیه صدقة.[1]
بندہ کبھی نماز شب (تہجد) پڑھنے کی نیت کرتا ہے پھر اس کی آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور سو جاتا ہے تو اللہ اس کے لیے نماز کا ثواب ثبت کرتا ہے اور اس کی ہر سانس تسبیح شمار ہوتی اور اور اس کی نیند کو صدقہ شمار کیا جاتا ہے۔
حضرت امام رضا علیہ السلام سے اس حدیث کی یہ تفسیر منقول ہے:
انه ربما انتهت بالانسان حالة من مرض او خوف یفارقه العمل ومعه نیته فلذلك الوقت نیة المؤمن خیر من عمله.[2]
اس طرح ہے کہ کبھی انسان کو مرض اور خوف لاحق ہوتا ہے تو وہ عمل نہیں کر پاتا مگر اس کی نیت اس کے ساتھ ہے۔ اس وقت مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔
شیخ بہاء الدین عاملی رحمۃ اللہ علیہ نیت صادقہ کی تشریح میں فرماتے ہیں:
نیت صادقہ (سچی نیت) سے مراد یہ ہے کہ دل اطاعت خدا کے لیے حرکت میں آئے کہ اس میں اللہ کے سوا کسی اور چیز کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔ جیسے غلام کو آزاد کرے کہ اسے پالنا نہ پڑے اور اس کی بد خلقی سے بچ جائے اس لیے برائے خدا آزاد کرتا ہوں یا لوگوں کے سامنے کار خیر میں مال خرچ کرے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور ثواب بھی ملے اور اگر تعریف نہ کریں، صرف ثواب ملے تو مال خرچ نہ کرتا۔ خواہ یہ بات بھی ہو کہ اگر ثواب نہ صرف تعریف کے لیے بھی مال خرچ نہ کرتا یا کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اس وقت لوگ وارد ہو جاتے ہیں تو نماز بہتر طریقہ سے

[1] علل الشرائع ۲: ۵۲۴ باب ۳۱ ح ۱
[2] الفقه منسوب الی الامام الرضا: ۳۷۹ باب ۱۰۵

پڑھنے لگتا ہے۔ اگرچہ اسے علم ہے کہ اگر لوگ نہ آتے تو بھی نماز تو پڑھتا تھی۔ اس قسم کی باتیں سچی نیت کے خلاف ہیں۔ بہرحال ہر وہ عمل جس میں دنیا کی کسی بات کا بھی حصہ ہو اور نیت دینی اور نفسانی خواہش دونوں پر مشتمل ہو تو اس کی نیت سچی نہیں ہے، خواہ دینی محرک، خواہشاتی محرک سے قوی ہو یا ضعیف ہو یا مساوی ہو۔[1]

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

وتخليص النية من الفساد اشد على العاملين من طول الجهاد۔[2]

نیت کو فاسد ہونے سے بچانا، عمل کرنے والوں کے لیے جہاد سے زیادہ مشکل ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عبادت اگر ثواب کی طمع میں اور عذاب کے خوف کی وجہ سے بجالائی جائے تو یہ عبادت، خودغرضی ہے اور صحیح نہیں ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ اللہ سے ثواب کا حصول اور اللہ کے عذاب سے نجات خلوص اور سچی نیت کے منافی نہیں ہے چونکہ ثواب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی صورت میں ملتا ہے اور عذاب سے بچنے کا مطلب اللہ کے غیض و غضب سے بچنا ہے۔ ان دونوں باتوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے بارے میں فرمایا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ[3]

یہ لوگ کارہائے خیر میں سبقت کرتے تھے اور شوق و خوف (دونوں حالتوں) میں ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے لیے خشوع

[1] مراۃ العقول ۷: ۷۹

[2] الکافی ۸: ۲۳ خطبۃ امیر المؤمنین علیہ السلام

[3] الانبیاء: ۹۰

کرنے والے تھے۔

نیز فرمایا:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ....[1]

(مشرک بہتر ہے) یا وہ شخص بہتر ہے جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگائے رکھتا ہے۔

پہلی آیت میں رَغَبًا ثواب کی رغبت اور رَهَبًا عذاب کا خوف ہے۔ دوسری آیت میں یَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ ایمان بہ آخرت کی وجہ سے آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ اپنے رب کی رحمت سے امید لگائے رکھنا بھی بندگی ہے۔ اس لیے بندے کو خوف و رجا، بیم و امید دونوں کے درمیان رہنا چاہیے۔

قابل توجہ ہے کہ رغبت اور خوف کا تعلق ذات الٰہی سے ہے۔ یعنی اللہ سے ثواب کی رغبت اور اللہ کے عذاب کا خوف ہے۔ اس میں کسی غیر خدا کا شائبہ نہیں ہے۔ یہ دونوں باتیں اس صورت میں سامنے آتی ہیں جب بندہ اللہ تعالیٰ کو ہی مالک و معبود سمجھتا ہے ورنہ وہ اللہ کے علاوہ دیگر چیزوں سے ڈرتا یا امیدیں وابستہ کرتا ہے جیسے مشرکین کیا کرتے ہیں۔

اس جگہ کلینی علیہ الرحمۃ کی روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

انَّ العُبّاد ثلاثة قوم عبدوا الله عزوجل خوفاً فتلك عبادة العبيد، وقوم عبدوا الله تبارك وتعالى طلب لثواب فتلك عبادة الاجراء وقوم عبدوا الله عزوجل حبّاً له فتلك عبادة الاحرار وهي افضل العبادة۔[2]

[1] الزمر: ۹

[2] الکافی ۲: ۸۴ باب العبادة

عبادت گزاروں کی تین قسمیں ہیں۔ کچھ لوگ اللہ عزوجل کی عبادت خوف کی وجہ سے کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت طلب ثواب کے لیے کرتے ہیں یہ مفاد والوں کی عبادت ہے اور کچھ لوگ اللہ سے محبت کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے اور یہ افضل عبادت ہے۔

اس روایت میں وھی افضل العبادۃ یہ افضل عبادت ہے کا واضح مطلب یہ ہے کہ باقی دونوں بھی عبادت ہیں لیکن کم فضیلت کی عبادات ہیں۔

اللہ پر حسن ظن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حسن الظن باللہ من عبادۃ اللہ

اللہ پر حسن ظن رکھنا اللہ کی عبادت ہے۔

(نزھۃ الناظر وتنبیہ الخاطر ص ۱۹)

ندگی کے رکان میں سے ایک اہم رکن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھا جائے۔ حسن ظن کا مطلب یہ ہے اللہ سے اچھائی کی امید رکھی جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس کی مخلوق ہوں، وہی میرا مالک ہے، اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، وہ بڑی مہربان ذات ہے۔ وہ میرے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا۔

ایک عرب صحرا نشین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: قیامت کے دن حساب کون لے گا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا۔ اس صحرا نشین نے کہا: نجوذ و رب الکعبة۔ رب کعبہ کی قسم ہم نجات پا گئے۔ فرمایا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: کریم ذات کو جب معاف کرنے پر قدرت ہوتی ہے تو وہ معاف کر دیتی ہے۔[1]

یہ حسن ظن کا بہترین نمونہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

ان حسن الظن باللہ من حسن العبادة۔[2]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنا عبادت کا حسن ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

حسن الظن باللہ من عبادة اللہ۔[3]

اللہ پر حسن ظن رکھنا اللہ کی عبادت ہے۔

[1] مجموعۃ ورام ۱ : ۹

[2] مستدرک الوسائل ۱۱ : ۲۵۳

[3] نزھۃ الناظر و تنبیہ الخاطر ص ۱۹

واضح رہے: اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے احکام پر عمل نہ کیا جائے اور صرف حسن ظن رکھا جائے بلکہ حسن ظن کا مطلب یہ ہے اللہ کے احکام پر عمل کر کے اس کی قبولیت کے لیے حسن ظن رکھا جائے اور کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو معافی کا حسن ظن رکھا جائے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:

حسن الظن ان تخلص العمل و ترجو من اللہ ان یعفو عن الزلل۔[1]

حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ تو عمل کو خالص بنا دے اور اللہ سے لغزشوں کے لیے درگزر کی امید رکھے۔

یعنی عمل کر کے حسن ظن اور امید رکھی جائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

حسن الظن باللہ ان لا ترجو الا اللہ ولا تخاف الا ذنبک۔[2]

اللہ کے ساتھ حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے امید وابستہ نہ کرے اور صرف اپنے گناہ سے خوف کرے۔

تمام امیدیں اللہ سے وابستہ کرنا اور اللہ کے علاوہ کسی اور سے امید وابستہ نہ کرنا اللہ کے ساتھ حسن ظن ہے۔ اللہ کے ساتھ حسن ظن کا لازمہ یہ ہے کہ ساری امیدیں اسی سے وابستہ کرے اور خوف، اللہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ کے عدل سے خوف ہوتا ہے اور عدل سے اس شخص کو خوف آتا ہے جس نے جرم کیا ہو۔ لہٰذا خوف اپنے ہی جرم و گناہ سے کیا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

وجدنا فی کتاب علی علیہ السلام: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال وھو علی منبرہ: والذی لا الہ الا ھو ما اعطی مؤمن قط خیر الدنیا والآخرۃ الا بحسن

[1] غرر الحکم و درر الکلم ص ۸۳ الخوف و الرجاء
[2] الکافی ۲: ۷۲ باب حسن الظن

ظنہ باللہ ورجائہ لہ۔[1]

ہم نے کتاب علی علیہ السلام میں یہ حدیث دیکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کسی بھی مؤمن کو دنیا و آخرت کی بھلائی ہرگز نہیں ملی مگر اللہ سے حسن ظن اور اسی سے امید رکھنے کے ذریعے۔

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

ان استطعتم ان یشتد خوفکم من اللہ ویحسن ظنکم بہ فاجمعوا بینھما. فان العبد انما یکون ظنّہ بربّہ علی قدر خوفہ من ربہ. فان احسنَ الناس ظنا باللہ اشدھم للہ خوفاً۔[2]

اگر تم سے ہو سکے کہ اللہ سے تمہارا خوف اور اس کے ساتھ حسن ظن شدید ہو جائے تو ان دونوں کو جمع کرو چونکہ بندے کا اپنے رب سے جتنا خوف ہوگا اتنا ہی اپنے رب سے حسن ظن ہوگا۔ اس لیے کہ سب سے زیادہ اللہ سے حسن ظن رکھنے والا وہی ہوگا جو سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہے۔

علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول میں اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: اگر آپ کے ذہن میں یہ بات آ جائے کہ مستقبل میں ایک اچھی چیز وجود میں آنے والی ہے اور اس سے آپ کو قلبی اشتیاق ہو جائے تو اسے انتظار اور توقع کہتے ہیں اور اگر کوئی مکروہ چیز آنے والی ہے جس کے تصور سے آپ کو درد محسوس ہوتا ہے تو اسے خوف

---

[1] الکافی ۲: ۷۲ باب حسن الظن

[2] نہج البلاغۃ مکتوب ۲۷

کہتے ہیں۔ اگر وہ چیز آپ کو محبوب ہے تو اس کے انتظار اور اسے موجود فرض کر لینے میں قلبی لذت محسوس ہوگی۔ اسے رجاء (امید) کہتے ہیں۔ پھر مستقبل میں جس چیز کے وجود میں آنے کی توقع ہے اس کے وجود میں آنے کے اسباب و علل ہوں گے۔ انہیں حاصل کرنے میں وہ سعی کرے تو اس پر "امید" کا لفظ صادق آتا ہے اور اگر اس کے اسباب و علل کی فراہمی کے بغیر امید رکھے تو اس پر "احمق" کا لفظ صادق آئے گا۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

حسن ظن العبد باللہ سبحانہ علی قدر رجائہ لہ۔[1]

بندے کا اللہ تعالیٰ پر حسن ظن اللہ سے اس کی امید کے مطابق ہو گا۔

واضح رہے حسن ظن، امید کا لازمہ ہے اور انسان جس چیز کی امید رکھتا ہے اس کے حصول کے لیے سعی کرتا ہے اور سعی کے بغیر امید رکھنے والے کو علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے "احمق" کہا ہے۔

گزشتہ احادیث کی روشنی میں حسن ظن کا مورد یہ ہے کہ اطاعت کرنے کے بعد یہ توقع رکھے کہ اللہ اسے قبول فرمائے گا اور اس قلیل کے مقابلہ میں اجر عنایت فرمائے گا۔ میرے عمل میں اگر نقص ہے تو اس سے درگزر فرمائے گا۔ دعائے رجبیہ میں ہے:

یامن یعطی الکثیر بالقلیل۔[2]

اے وہ ذات جو قلیل عمل کے مقابلے میں کثیر اجر دیتی ہے۔

اس جگہ وہ حدیث قابل توجہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[1] غرر الحکم ص ۲۰۰ ح ۳۹۶۷

[2] مصباح المتہجد وسلاح المتعبد ج ۱ ص ۳۵۳

انا عند حسن ظن عبدی بی۔[1]
میں اپنے بندے کے حسن ظن کے پاس ہوں۔

*****

[1] مصباح الشریعۃ ص ۱۷۳ باب ۸۲ فی حسن الظن

خوف اور امید

بندگی کا ایک لازمہ یہ ہے کہ بندہ خوف اور امید کے درمیان رہے۔ صرف امید ہو اور خوف نہ ہو، بندگی نہیں ہے۔ اسی طرح صرف خوف ہو اور کوئی امید نہ ہو، یہ بھی بندگی کے سراسر خلاف ہے۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ہرگز سازگار نہیں ہے کہ بندہ اپنی نجات کے بارے میں اپنے عمل پر تکیہ کر کے امید کو یقین کی حد تک لے جائے کہ میں نے نجات حاصل کرنی ہی کرنی ہے اور دوسری صورت کے بارے میں وہ بالکل نہ سوچے۔ ایسے شخص کو اپنے عمل پر غرور ہے اور یہ شخص خود بین ہے۔ یہ بندگی کے سراسر خلاف ہے۔

کچھ سادہ لوح لوگوں کی غلط فہمی ہے کہ چونکہ میرا مذہب برحق ہے لہٰذا میری نجات یقینی ہے۔ کہتے ہیں اگر ہم جنت میں نہیں جائیں گے تو اور کون جنت میں جائے گا۔ جب کہ مذہب کے برحق ہونے سے اس مذہب والے کی نجات ضروری نہیں ہے۔ ایک شخص عقیدے کے اعتبار سے صحیح مذہب پر ہے لیکن عمل کے اعتبار سے وہ مذہب سے دور ہے تو ایسے شخص کو مذہب کا برحق ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

لہٰذا خوف کے بغیر صرف امید رکھنا بندگی کے خلاف ہے۔ بندگی یہ ہے کہ اپنے مولا کی اطاعت کر کے اس سے امیدیں وابستہ رکھے اور قبولیت اعمال اور اپنے گناہوں کے بارے میں خوفزدہ بھی رہے۔ اگر کسی کے دل میں خوف نہیں ہے تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ اس نے عبادت کا حق ادا کیا ہے۔ اس قسم کا دعویٰ کسی اولوالعزم نبی مرسل نے بھی نہیں کیا۔ اسی طرح ہے اگر صرف خوف ہو اور اللہ سے کوئی امید نہ ہو، یہ اللہ سے مایوسی ہے جو کفر ہے۔ اللہ کی رحمت گناہ گار کے ہر گناہ سے وسیع تر ہے۔

روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: ایک قوم ایسی ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرتی ہے اور کہتی ہے نرجو ہم امید رکھتے ہیں اور وہ اسی بات پر قائم رہتے ہیں یہاں تک کہ انہیں موت آجاتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ھؤلا قوم یترجحون فی الامانی کذبوا. لیسوا براجین ان من رجا شیئاً طلبه ومن خاف من شیء هرب منه.[1]

یہ ایسے لوگ ہیں جو آرزوؤں میں مگن رہتے ہیں۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں، یہ امید رکھنے والے نہیں ہیں۔ جو کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسے طلب کرتا ہے اور جو کسی چیز سے خوفزدہ ہوتا ہے اس سے دور بھاگتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

انه لیس من عبد مؤمن الا (و) فی قلبه نوران نور خیفة ونور رجاء لو وزن هذا لم یزد علی هذا.[2]

ہر مؤمن کے دل میں دو نور ہوتے ہیں: ایک خوف کا نور اور دوسرا امید کا نور۔ اگر ان دونوں کا وزن کیا جائے تو ایک دوسرے کے وزن سے زیادہ نہ ہوگا۔

یعنی مؤمن خوف اور امید کے عین درمیان ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یکون خائفاً راجیا ولا یکون خائفاً راجیا حتی یکون عاملا لما یخاف ویرجو۔[3]

[1] الکافی ۲: ۶۸ باب الخوف والرجاء
[2] الکافی ۲: ۷۱ باب الخوف والرجاء
[3] الکافی ۲: ۷۱ باب الخوف والرجاء

مؤمن اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ خوف کرنے والا، امید رکھنے والا نہ ہو اور خوف کرنے والا، امید رکھنے والا تب تک نہیں ہوگا جب تک اس کے لیے عمل نہ کرے جس ذات سے وہ خوف کھاتا اور امید رکھتا ہے۔

نیز آپ علیہ السلام سے روایت ہے:

من خاف الله اخاف الله منه کل شیء، و من لم یخف الله اخافه الله من کل شیء.[1]

جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ ہر چیز کو اس سے خوفزدہ کر دیتا ہے اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اللہ اسے ہر چیز سے خوفزدہ کر دیتا ہے۔

نفس کا محاسبہ

بندگی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ بندہ اپنے سے صادر ہونے والی روزانہ کی حرکات واعمال سے غافل نہیں ہوتا۔ اس کا ضمیر بیدار، حواس فعال اور عقل سالم ہوتی ہے۔ وہ اپنے سے سرزد ہونے والی ہر لغزش کو اپنی خامی شمار کرتا ہے اور کسی نیکی پر نہیں اتراتا۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ دوسروں کی کمزوریوں کا کھوج لگانے میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں، اپنی ذات سے غافل رہتے ہیں اور اپنی کمزوریوں کے وجود تک کا احساس نہیں کرتے۔

جب کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے مطابق اپنی کمزوریوں پر گہری نظر رکھنی چاہیے اور دوسروں کی کمزوریوں سے درگزر کرنا چاہیے۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:

فحاسب نفسك لنفسك فانّ غیرها من الانفس لها حسیب غیرك.[2]

---

[1] الکافی ۲: ۶۸ باب الخوف الرجاء

[2] نہج البلاغة خطبہ ۲۲۲

تو خود اپنے نفس کا محاسبہ کر۔ دوسروں کا محاسبہ کرنے والے تیرے علاوہ موجود ہوتے ہیں۔

انسان سات اطراف سے نگرانی میں ہے۔

مؤمن کو اس بات سے آگاہ ہونا چاہیے کہ وہ شش جہت سے کڑی نگرانی میں ہے۔ اس کی کوئی حرکت اور جنبش ان نگرانوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی:

۱۔ موکل: سب سے اہم اور طاقتور نگرانی خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مؤکل فرشتوں کے ذریعے ہو رہی ہے۔ اس پر قرآن مجید کی متعدد آیات کی صراحت موجود ہے:

وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ ۝ يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝[1]

جب کہ تم پر نگران مقرر ہیں، ایسے معزز لکھنے والے، جو تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنۡطِقُ عَلَيۡكُمۡ بِالۡحَقِّ‌ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝[2]

ہماری یہ کتاب تمہارے بارے میں سچ بیان کر دے گی جو تم کرتے تھے اسے ہم لکھواتے رہتے تھے۔

مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ ۝[3]

(انسان) کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگران تیار ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا نگران: انسان کے اپنے اعضاء وجوارح ہیں۔ یہ بھی کل روز حساب گواہی دیں گے کہ ان اعضاء کو کن کاموں کے استعمال میں لایا گیا ہے۔

---

[1] الانفطار: ۱۰ تا ۱۲

[2] الجاثیۃ: ۲۹

[3] ق: ۱۸

۳۔ تیسرا نگران: زمان ہے۔ جس زمانے میں عمل واقع ہوگا کل وہ بھی آگے آئے گا اور گواہی دے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ما من یوم یأتی علی ابن آدم الا قال له ذلك الیوم یا ابن آدم انا یوم جدید وانا علیك شهید فقل فیّ خیرا و اعمل فیّ خیرا اشهد لك به یوم القیمة فانك لن ترانی بعدها ابداً۔[1]

ابن آدم پر کوئی دن نہیں آتا جب تک وہ اس سے یہ نہ کہے: اے ابن آدم! میں نیا دن ہوں، میں تم پر گواہ ہوں، میرے ساتھ اچھا سلوک کرو یا اچھا عمل کرو۔ میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا۔ آج کے بعد تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا۔

سید بن طاؤس کی کتاب محاسبۃ النفس کے باب ثالث میں متعدد روایات میں ذکر ہے کہ پیر اور جمعرات کے دنوں میں ہمارے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کے حضور پیش ہوا کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا نگران: مکان ہے۔ جس جگہ پر عمل سرزد ہوا ہے، شر ہو یا خیر، قیامت کے دن وہ جگہ بھی گواہی دے گی۔ اس سلسلے میں روایات متعدد ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

صلوا من المساجد فی بقاع مختلفة فان كل بقعة تشهد للمصلی علیها یوم القیامة۔[2]

مختلف علاقوں کی مسجدوں میں نماز پڑھا کرو چونکہ قیامت کے دن زمین کا ہر قطعہ اس پر نماز پڑھنے والے کے حق میں گواہی

---

[1] الکافی ۲: ۵۲۳ باب القول عند الاصباح والاساء

[2] الامالی للصدوق ص ۲۵۹ مجلس ۵۹

دے گا۔

حضرت علی علیہ السلام کی سیرت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ (ع) مختلف جگہوں پر پانی چھڑکا کر نماز پڑھا کرتے تھے، تا کہ قیامت کے دن وہ جگہ گواہی دے۔

۵۔ پانچویں نگران: نبی و امام۔

اس موضوع پر کثرت سے روایات موجود ہیں کہ ہمارے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ یہ روایات آیہ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ.....[1] کی تفسیر میں وارد ہیں۔

چنانچہ ابو العباس بن عقدہ نے اپنی کتاب فی ما نزل من القرآن فی النبی و الائمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں الْمُؤْمِنُوْنَ سے مراد آئمہ علیہم السلام ہیں۔

سید علی بن طاؤس علیہ الرحمۃ نے محمد بن العباس الماہیار کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو سعید خدری راویت ہیں: عمار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: میری تمنا ہے کہ آپ کو عمر نوح ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا عمار حیاتی خیر لکم و وفاتی لیس بشر لکم. اما فی حیاتی فتحدثون واستغفر الله لکم واما بعد وفاتی فاتقوا الله واحسنوا الصلوة علیّ و علی اهل بیتی فانکم تعرضون علی (و علی اهل بیتی) باسمائکم و اسماء آبائکم و قبائلکم. فان یکن خیراً حمدت الله وان یکن سوءا استغفر الله لذنوبکم. فقال

[1] التوبۃ:۱۰۵

المنافقون والشكاك والذين في قلوبهم مرض: يزعم ان الاعمال تعرض عليه بعد وفاته باسماء الرجال واسماء آبائهم و انسابهم الى قبائلهم. ان هذا لَهوَ الافك. فانزل الله جل جلاله: "وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ" فقيل له: من المؤمنون؟ فقال: عامة وخاصة. اما الذين قال الله عزوجل وَالْمُؤْمِنُونَ فهم آل محمد و الائمة منهم.[1]

اے عمار! میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات تمہارے لیے بری نہیں ہے، میری حیات میں تم میرے ساتھ باتیں کرتے ہو۔ میں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں لیکن میری وفات کے بعد اللہ (کے غضب) سے بچو اور مجھ پر اور میرے اہل بیت پر بہتر طریقے سے درود بھیجو چونکہ تم (تمہارے اعمال) میرے اور میرے اہل بیت کے سامنے، تمہارے اور تمام باپ دادا اور تمہارے قبیلوں کے نام کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ اگر عمل خیر ہے تو میں اللہ کی حمد کرتا ہوں، دوسری صورت میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اس وقت منافقین، شک کرنے والے اور بیمار دل لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ شخص گمان کرتا ہے کہ اپنی وفات کے بعد لوگوں کے اعمال ان کے اور ان کے باپ دادا اور ان کے نسب اور قبیلوں کے نام کے ساتھ پیش ہوں گے۔ یہ محض جھوٹ ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اور کہہ دیجیے: لوگو! عمل کرو کہ تمہارے عمل کو اللہ اور اس کا

---

[1] محاسبۃ النفس للطاووس ص ۱۸

رسول اور مؤمنین دیکھیں گے۔" کسی نے پوچھا: اَلْمُؤْمِنُوْنَ کون ہیں؟ فرمایا: عام بھی خواص بھی لیکن اللہ عزوجل نے اس آیت میں جنہیں اَلْمُؤْمِنُوْنَ فرمایا ہے وہ آل محمد میں سے ائمہ (علیہم السلام) ہیں۔

سید بن طاؤس کی کتاب محاسبۃ النفس باب سوم میں متعدد روایات مذکور ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ ہمارے اعمال پیر اور جمعرات کو اللہ، رسول اور ائمہ علیہم السلام کے حضور پیش ہوتے ہیں۔

شیخ طوسی علیہ الرحمۃ تفسیر التبیان ۵: ۲۹۵ میں فرماتے ہیں:

روی فی الخبران اعمال العباد تعرض علی النبی صلی الله علیه وآله وسلم فی کل اثنین وخمیس فیعلمها وکذلك تعرض علی الائمة علیهم السلام فیعرفونها وهم المعنیون بقوله وَالْمُؤْمِنُوْنَ.

روایت ہے کہ بندوں کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ہر پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں۔ پھر آپ (ص) کو ان کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آئمہ علیہم السلام کے حضور پیش ہوتے ہیں اور انہیں علم ہو جاتا ہے اور آیت میں وَالْمُؤْمِنُوْنَ سے مراد آئمہ علیہم السلام ہی کو لیا گیا ہے۔

۶۔ ان سب نگرانوں سے بالاتر خود اللہ تعالیٰ کی نگرانی ہے۔ جس سے اس کائنات میں رونما ہونے والا کوئی واقعہ پوشیدہ نہیں ہے:

وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ O[1]

اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو دوران مصروفیت ہم تم پر ناظر ہیں اور زمین و آسمان کی ذرہ برابر اور اس سے چھوٹی یا بڑی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے رب سے پوشیدہ ہو اور روشن کتاب میں درج نہ ہو۔

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ O[2]

اور اگر رائی کے دانے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوا تو ہم اسے اس کے لیے حاضر کر دیں گے اور حساب کرنے کے لیے ہم ہی کافی ہیں۔

۷۔ ساتواں نگران: انسان کا اپنا عمل اس کا نگران ہے۔ انسان کا عمل انرجی کی شکل میں موجود رہتا ہے۔ چنانچہ متعدد آیات کے ظہور سے ثابت ہے کہ انسان کا عمل قیامت کے دن خود حاضر کیا جائے گا اور انسان خود اپنے عمل کا مشاہدہ کرے گا۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ....[3]

اس دن ہر شخص اپنا نیک عمل حاضر پائے گا اسی طرح برا عمل بھی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ O وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ O[4]

---

[1] یونس: ۶۱
[2] الانبیاء: ۴۷
[3] آل عمران: ۳۰
[4] الزلزلۃ: ۷۔۸

پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

انسان کا عمل ایک بار وجود میں آنے کے بعد مٹنے والا نہیں ہے۔ اگر نیک عمل ہے تو وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اگر برا عمل ہے تو اس کی جان نہیں چھوڑے گا۔ البتہ عمل کبھی ریاکاری وغیرہ کی وجہ سے نابود ہو جاتا ہے تو وہ عمل ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور اگر کوئی گناہ توبہ استغفار کی وجہ سے معاف ہو جاتا ہے تو وہ جان چھوڑ دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

حاسبو انفسکم قبل ان تحاسبوا وزنوها قبل ان توزنوا وتجهزوا للعرض الاکبر۔[1]

تم اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا وزن کرو قبل اس کے تمہیں میزان عدل میں رکھا جائے اور بڑی پیشی کی تیاری کرو۔

واضح رہے "بڑی پیشی" قیامت کے دن حساب کے لیے اللہ تعالی کے سامنے پیش ہونے کو کہتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

لو لم یکن للحساب مهولة الا حیاء العرض علی الله تعالی وفضیحة هتك الستر علی المخفیات لحق للمرء ان لا یهبط من رؤوس الجبال ولا یأوی الی عمران ولا یأكل ولا یشرب ولا ینام الا عن اضطرار متصل بالتلف۔[2]

(قیامت کے دن) حساب میں کوئی خوف نہ ہوتا سوائے اللہ کے حضور پیش ہونے کی شرمندگی اور پوشیدہ رازوں کے فاش ہونے

[1] وسائل الشیعة ۱۶: ۹۹ باب ۹۶

[2] مصباح الشریعة ص ۸۵ باب ۳۸

کے تو انسان کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ پہاڑوں سے نیچے آبادی کی طرف نہ آئے۔ کھانا، پینا اور سونا ترک کر دے مگر یہ کہ ایسی مجبوری پیش آ جائے جو خطرہ جان تک پہنچا دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

لایکون العبد مؤمنا حتی یحاسب نفسه اشد من محاسبة الشریك شریکه والسید عبده۔[1]

بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنا ایسا محاسبہ نہ کرے جس طرح شریک اپنے شریک کار کا اور آقا اپنے غلام کا محاسبہ کرتا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت ہے:

الفقر والغنی بعد العرض علی الله سبحانه۔[2]

غریبی اور امیری کا فیصلہ اللہ سبحانہ کے حضور پیشی کے بعد ہوگا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے:

لیس منّا من لم یحاسب نفسه فی کلّ یوم فان عمل حسنة استزاد الله وان عمل سیئاً استغفر الله منه وتاب الیه۔[3]

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہر روز اپنا محاسبہ نہ کرے۔ اگر نیکی کی ہے تو اسے اور زیادہ کرے اگر کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو اللہ سے طلب عفو اور توبہ کرے۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:

[1] محاسبة النفس للسید طاووس ص ۱۳

[2] غرر الحکم ص ۳۶۲ موعظة متفرقة: ۸۲۷۰

[3] الکافی ج ۲ ص ۴۵۳ باب محاسبة العمل

من حاسب نفسه ربح ومن غفل عنها خسر .[1]

جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اس نے فائدہ اٹھایا اور جو غفلت کرتا ہے وہ گھاٹے میں ہے۔

✿✿✿✿✿

[1] نہج البلاغہ ص ۵۰۶ حکمت: ۲۰۸

خلوت نشینی

امام جعفر صادق علیہ السلام

وطلبت العافية فوجدتها في العزلة

میں نے عافیت طلب کی وہ مجھے خلوت نشینی میں ملی

(مستدرک الوسائل ۱۲: ۱۷۳ باب نوادر)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:

ینبغی للمسلم العاقل ان لا یری ظاعنا الا فی ثلاث، مرمۃ لمعاش، او تزود لمعاد، او لذۃ فی غیر ذات محرم و ینبغی للمسلم العاقل ان یکون له ساعۃ یفضی بها الی عمله فیما بینه وبین الله عزوجل وساعۃ یلاقی اخوانه الذین یفاوضهم ویفاوضونه فی امر آخرته وساعۃ یخلی بین نفسه وَ لذاتها فی غیر محرم فانها عون علی تلک الساعتین۔[1]

ایک عاقل مسلمان کے لیے سزوار ہے کہ وہ تین چیزوں کے علاوہ کسی چیز میں مصروف نہ ہو۔ ۱۔ معیشت کے لیے محنت یا ۲۔ اپنی آخرت کے لیے زاد راہ کی تیاری یا ۳۔ ان چیزوں سے لذت لینے میں جو حرام نہیں ہیں۔

ایک عاقل مسلمان کے لیے سزاوار ہے کہ ایک وقت اس کے اپنے اور اللہ کے درمیان اعمال کے لیے مخصوص ہو اور ایک وقت اپنے برادران کے ساتھ ملاقات کے لیے مخصوص ہو جس میں وہ اپنی آخرت کے بارے میں باہم گفتگو کریں اور ایک وقت اپنی ذات کے لیے مخصوص ہو جو حلال چیزوں سے لذت حاصل کرنے

[1] الکافی ۵: ۸۷ باب اصلاح المال

کے لیے ہو۔ لذت کے لیے مخصوص وقت سابقہ دونوں وقتوں کے لیے معاون ثابت ہوگا۔

فرمان امام علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ حلال اور جائز چیزوں سے لذت حاصل کرنا پہلے دونوں اوقات یعنی (اپنے اور اللہ کے درمیان اعمال لیے مخصوص وقت اور امور آخرت کے بارے میں احباب کے ساتھ گفتگو کرنے کے مخصوص وقت) کے لیے معاون ثابت ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

صاحب العزلة متحصن بحصن الله تعالیٰ ومتحرس بحراسته.[1]

خلوت اختیار کرنے والا اللہ کے قلعے اور حفاظت میں محفوظ ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

ففي العزلة صيانة الجوارح وفراغ القلب وسلامة العيش وكسر سلاح الشيطان والمجانبة من كل سوء وراحة القلب وما من نبي ولا وصي الا واختار العزلة في زمانه اما في ابتدائه واما في انتهائه.[2]

خلوت نشینی میں اعضاء کی حفاظت، دل کی فارغ البالی اور سلامتی ہے، اس میں شیطان کے اسلحہ کی شکست وریخت ہے، ہر برائی سے دور رہنے کا موقع ہے اور دل کے لیے راحت ہے۔ کوئی نبی یا وصی ایسا نہیں ہے جس نے اپنے زمانے میں خلوت نشینی اختیار نہ کی ہو شروع میں یا آخر میں۔

اس جگہ نہایت جامع اور انسان ساز حدیث، جو نہایت قابل توجہ ہے، پیش کرتا ہوں۔ کتاب مجموعۃ الشہید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت

---

[1] مصباح الشریعہ ص ۹۹ باب ۴۵

[2] مصباح الشریعہ ص ۱۰۰ باب ۴۵

ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:

طلبت الجنة فوجدتها فی السخاء	میں نے جنت طلب کی تو وہ مجھے سخاوت میں ملی
وطلبت العافية فوجدتها فی العزلة	میں نے عافیت طلب کی تو وہ مجھے خلوت نشینی میں ملی
وطلبت ثقل الميزان فوجدته فی شهادة ان لا اله الا الله محمد رسول الله	میں نے میزان عمل کی سنگینی مانگی تو وہ مجھے لا اله الا الله محمد رسول الله کی شہادت میں ملی
وطلبت السرعة الی الدخول فی الجنة. فوجدته فی العمل لله تعالی	میں نے جنت میں جلد داخل ہونے کو طلب کیا تو وہ مجھے برائے خدا عمل کرنے میں ملا
وطلبت حب الموت فوجدته فی تقديم المال لوجه الله	میں نے موت سے محبت مانگی تو وہ مجھے برائے خدا مال خرچ کرنے میں ملی
وطلبت حلاوة العبادة فوجدتها فی ترك المعصية	میں نے عبادت کی شیرینی مانگی تو وہ مجھے ترک معصیت میں ملی
وطلبت رقة القلب فوجدتها فی الجوع والعطش	میں نے قلب کی نرمی مانگی تو وہ مجھے بھوک اور پیاس میں ملی
وطلبت نور القلب فوجدته فی التفكر والبكاء	میں نے دل کی روشنی مانگی تو وہ مجھے تفکر اور گریہ میں ملی
وطلبت الجواز علی الصراط فوجدته فی الصدقة	میں نے صراط سے گزر طلب کی تو وہ مجھے صدقہ میں ملی
وطلبت نور الوجه فوجدته فی صلاة الليل	میں نے چہرے کا نور مانگا تو وہ مجھے تہجد میں ملا

وطلبت فضل الجهاد	میں نے جہاد کی فضیلت مانگی
فوجدته فی الکسب للعیال	تو وہ مجھے اپنے افراد خانہ کے لیے کمائی میں ملی
وطلبت حبّ الله عزوجل	میں نے اللہ سے محبت مانگی
نوجدته فی بغض اهل المعاصی	تو وہ مجھے معصیت کاروں سے بغض میں ملی
وطلبت الرئاسة	میں نے سرداری مانگی
فوجدتها فی النصیحة لعباد الله	تو وہ مجھے بندگان خدا کی خیر خواہی میں ملی
وطلبت فراغ القلب	میں نے دل کا فارغ البال ہونا مانگا
فوجدته فی قلة المال	تو وہ مجھے مال کی قلت میں ملا
وطلبت عزائم الامور	میں نے معاملات میں پختہ کاری مانگی
فوجدتها فی الصبر	تو وہ مجھے صبر میں ملی
وطلبت الشرف	میں نے شرافت مانگی
فوجدته فی العلم	تو وہ مجھے علم میں ملی
وطلبت العبادة	میں نے عبادت مانگی
فوجدتها فی الورع	تو وہ مجھے حرام سے اجتناب میں ملی
وطلبت الراحة	میں نے راحت مانگی
فوجدتها فی الزهد	تو وہ مجھے زہد میں ملی
وطلبت الرفعة	میں نے سربلندی مانگی
فوجدتها فی التواضع	تو وہ مجھے تواضع میں ملی
وطلبت العزّ	میں نے عزت مانگی
فوجدته فی الصدق	تو وہ مجھے سچائی میں ملی
وطلبت الذلة	میں نے انکساری طلب کی

فوجدتها فی الصوم
وطلبت الغنی
فوجدته فی القناعة
وطلبت الانس
فوجدته فی قراءة القران
وطلبت صحبة الناس
فوجدتها فی حسن الخلق
وطلبت رضی الله
فوجدته فی بر الوالدین

تو وہ مجھے روزے میں ملی
میں نے بے نیازی مانگی
تو وہ مجھے قناعت میں ملی
میں نے مانوسیت مانگی
تو وہ مجھے تلاوت قرآن میں ملی
میں نے لوگوں کے ساتھ رفاقت مانگی
تو وہ مجھے اچھے اخلاق میں ملی
میں نے اللہ کی خوشنودی مانگی
تو وہ مجھے والدین کے ساتھ نیکی میں ملی

(مستدرک الوسائل ۱۲: ۱۷۳ باب نوادر)

ریاکاری سے پرہیز

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

"الریاء شجرة لا تثمر الا الشرک الخفی و اصلها النفاق"

ریاکاری ایک درخت ہے جو صرف شرک خفی کا پھل دیتا ہے اور اس کی جڑ نفاق ہے۔

(مستدرک الوسائل ۱: [illegible])

عبادت صرف اللہ کی ہوتی ہے اور عبادت کے نام سے جو کام انجام دیا جاتا ہے اس میں اللہ کے علاوہ کسی اور مقصد کو شریک کرنا عبادت کی نفی ہے۔ ریاکار کاذب ہے اور وہ قولی نہیں عملی کذب اور نفاق میں مبتلا ہے۔ وہ ظاہر یہ کرتا ہے کہ میں یہ کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کر رہا ہوں جب کہ واقع میں وہ اللہ کی نہیں لوگوں کی خوشنودی کے لیے کر رہا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

ان اخوف ما اخاف علیکم الشرك الاصغر قالوا: وما الشرك الاصغر یارسول الله (ص)؛ قال رسول الله (ص): الریاء۔[1]

تمہارے بارے جس چیز کا سب سے زیادہ مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ لوگوں نے عرض کی: شرک اصغر کیا ہے؟ رسول اللہ (ص) فرمایا: ریاکاری ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان المرائی ینادی یوم القیامة: یا فاجر یا غادر یا مرائی ضل عملك و حبط اجرك اذهب فخذ اجرك ممن کنت تعمل له۔[2]

ریاکار کے لیے قیامت کے دن یہ ندا آئے گی: اے فاجر! اے دھوکے باز! اے ریاکار! تیرا عمل ناپید ہے۔ تیرا اجر مٹ گیا

---

[1] مجموعۃ ورام ۱: ۱۸۷ بیان ذم الریاء

[2] مجموعۃ ورام ۱: ۱۸۷ بیان ذم الریاء

ہے، پس تو اپنا اجر اس سے لے جس کے لیے تو نے عمل کیا ہے۔
تیسری حدیث میں آیا ہے:
ما زاد خشوع الجسد علی ما فی القلب فهو عندنا نفاق.[1]
جس کے جسم کا خشوع دل کے خشوع سے زیادہ ہو تو یہ ہمارے نزدیک نفاق ہے۔
حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دل کے خشوع سے جسم کا خشوع زیادہ ہو تو یہ ریاکاری بھی ہے اور قلب و عمل میں اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے نفاق بھی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھی حدیث میں آیا ہے:
لا یقبل الله تعالی دعاء المرائی.[2]
اللہ تعالیٰ ریاکار کی دعا قبول نہیں فرماتا
حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:
ثلاث علامات للمرائی: ینشط اذا رأی الناس ویکسل اذا کان وحده ویحب ان یحمد فی جمیع اموره.[3]
ریاکار کی تین علامتیں ہیں: جب لوگ دیکھ رہے ہوں تو چستی دکھاتا ہے۔ جب اکیلا ہو تو سست ہو جاتا ہے اور تمام امور کے بارے میں تعریف سننا چاہتا ہے۔
یہ بات نہایت اہم اور حساس ہے کہ اپنے کاموں پر تعریف پسند کرنا تقریباً ہر شخص کی کمزوری ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی خدمات اور خوبیوں کی تعریف سننا پسند نہ کرتے ہوں۔
اس جگہ چند باتوں میں فرق ہے۔ ایک یہ ہے کہ یہ دل سے چاہتا ہے لوگ اس کے کاموں کی تعریف کریں۔ اگر تعریف نہ کریں تو یہ آزردہ ہو جاتا ہے۔ یہ شخص

[1] الکافی ۲: ۳۹۶ باب صفة النفاق والمنافق
[2] مستدرک الوسائل ۱: ۱۱۰
[3] الکافی ۲: ۲۹۵ باب الریاء

اس حدیث کا مصداق ہے۔

دوسرا شخص یہ چاہتا نہیں ہے کہ لوگ اس کے کاموں کی تعریف کریں اور نہ کریں تو آزردہ نہیں ہوتا لیکن اگر تعریف کریں تو خوش ہو جاتا ہے، ناراض نہیں ہوتا۔

تیسرا آدمی یہ ہے کہ چاہتا ہی نہیں اس کی خدمات اور کار ہائے خیر کی تعریف ہو جائے بلکہ یہ دل سے چاہتا ہے کہ لوگ تعریف نہ کریں۔ اگر تعریف کریں تو اسے پسند نہیں کرتا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کا اپنا مقام ہے اور اس کے کار خیر کا اسی درجے کا ثواب ہوگا۔

بعض علماء فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں ریاکاری کا کوئی مطلب نہیں بنتا چونکہ لوگوں میں بدگمانی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ مؤمن کی خالص عبادت کو بھی ریاکاری سمجھتے ہیں۔ اس طرح ریاکار کی ریاکاری بھی اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہے کہ لوگ اس کی ریاکاری کے دھوکے میں نہیں آتے۔

ریاکار کی سوچ بھی نہایت بیہودہ ہے کہ جس ذات کے پاس سب کچھ ہے اس کے لیے مخلص نہیں ہے اور جس انسان کے پاس کچھ بھی نہیں اسے دکھانے کے لیے وہ بہت مخلص ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

يقال للمرائی يوم القيامة عند الميزان: خذ ثوابك وثواب عملك ممن اشركته معي فانظر من تعبد ومن تدعو ومن ترجو ومن تخاف.[1]

روز قیامت وقت حساب ریاکار سے کہا جائے گا: تو اپنا اور اپنے عمل کا ثواب اس سے لے لے جسے تو نے میرے ساتھ شریک کیا ہے۔ دیکھ تو کس کی عبادت کرتا ہے، کسے پکارتا ہے، کس سے امید رکھتا ہے اور کس کا خوف کرتا ہے۔

آپ علیہ السلام سے دوسری روایت میں آیا ہے:

---

[1] مصباح الشریعۃ ص ۳۲ باب ۱۴ فی الریاء

الریاء شجرة لا تثمر الا الشرك الخفی واصلها النفاق.[1]

ریاکاری ایک درخت ہے جو شرک خفی کا پھل دیتا ہے اور اس کی جڑ نفاق ہے۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کسی عمل میں انسان ریاکاری کر رہا ہے یا نہیں یہ دیکھ لیں کہ اس عمل کا محرک جو دل میں ہے وہ اگر فاش ہو جائے تو شرمندہ ہو گا یا اطمینان حاصل ہو گا؟ اگر شرمندہ ہو گا تو ریاکاری ہے اور اگر اطمینان ہو گا تو ریاکاری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے عمل کو اپنے ہاتھ سے برباد کرنے کی حماقت سے بچالے۔ آمین

✿✿✿✿✿

[1] مصباح الشریعہ ص ۳۲ باب ۱۴ الریاء
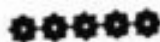
راضی بہ رضا اور توکل

حضرت علی علیہ السلام

الرضا بقضاء اللہ یھوّن عظیم الرزایا۔

اللہ کے فیصلے پر راضی ہونے سے بڑی مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔

(غرر الحکم ص ۱۰۳ حدیث: ۱۸۳۵)

بندگی کا ایک اہم ترین ستون یہ ہے کہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہا جائے۔ چونکہ بندہ اللہ کی ملکیت میں ہے اور اللہ مالک حقیقی ہے۔ مملوک کو مالک کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے۔ اگر یہ مالک خود بندے سے زیادہ اس پر مہربان ہو تو اس مہربان مالک کا فیصلہ سر اور آنکھوں پر لینا چاہیے۔

بندہ ایک نادان بچے کی طرح ہے جس کا مہربان باپ بچے کے حق میں فیصلے کرتا ہے۔ جس میں وقتی طور پر کچھ تکلیف ہے لیکن اس کے بہت اچھے اور دور رس نتائج ہیں۔ بچہ نادان ہونے کی وجہ سے اس فیصلے پر نالاں ہوتا ہے۔ اگر بچے کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ مہرباں باپ اس کے حق میں فیصلے کرتا ہے تو وہ اس فیصلے کو کھلے دل سے قبول کر لیتا۔

لہٰذا اللہ ارحم الراحمین پر ایمان رکھنے والا اس کے ہر فیصلے پر راضی رہتا ہے۔ اسی لیے ایمان کے لوازم میں سے درج ذیل امور ہیں:

۱۔ اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا

۲۔ اللہ پر توکل کرنا

۳۔ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کرنا

۴۔ حکم خدا تسلیم کرنا۔

مؤمن اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ کل کائنات کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے:

بِیَدِہٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ....[1]

ہر چیز کی حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے

اور اس کائنات میں جو کچھ رونما ہوتا ہے وہ اللہ کا فیصلہ ہے:

لِكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ....[2]

تاکہ جو چیز تم لوگوں کے ہاتھ سے چلی جائے اس پر تم رنجیدہ نہ ہو اور جو چیز تم لوگوں کو عطا ہو اس پر اترایا نہ کرو۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

الزھد کلہ بین کلمتین من القرآن۔[3]

پورا زہد قرآن کے ان دو کلموں کے درمیان ہے۔

ایک کلمہ یہ ہے: جو چیز تمہارے ہاتھ سے چلی جائے اس پر رنجیدہ نہ ہو۔

دوسرا کلمہ یہ ہے: جو چیز تمہیں عطا ہو اس پر اترایا نہ کرو۔

جس کا ایمان محکم ہو گا وہ ان دو حالتوں میں توازن برقرار رکھے گا۔ ایمان نے اسے چٹان کی طرح مضبوط بنایا ہے کہ حالات کے بدلنے سے اس میں تزلزل نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

لا یکمل المؤمن الایمان حتی یکون فیہ خمس خصال: التوکل علی اللہ. والتفویض الی اللہ. والتسلیم لامر اللہ والصبر علی بلاء اللہ. والرضا بقضاء اللہ انہ من احب فی اللہ. و ابغض فی اللہ. واعطی فی اللہ. ومنع فی اللہ فقد استکمل الایمان.[4]

[1] یٰس: ۸۳

[2] الحدید: ۲۳

[3] نہج البلاغۃ ص ۵۵۳ حکمت: ۴۳۹

[4] اعلام الدین ص ۱۴۴

مؤمن اپنا ایمان مکمل نہیں کرتا جب تک اس میں پانچ خصلتیں نہ ہوں: اللہ پر بھروسہ کرنا، اللہ کے سپرد کر دینا، حکم خدا کو تسلیم کرنا، اللہ کی آزمائش پر صبر کرنا، اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا اور برائے خدا محبت کرے، برائے خدا بغض رکھے، راہ خدا میں دیا کرے اور برائے خدا دینے سے رک جائے تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے:

عجباً للمؤمن لا یرضی بقضاء اللہ فو اللہ لا یقضی اللہ للمؤمن من قضاء الاکان خیراً لہ۔[1]

تعجب ہے اس بات میں کہ مؤمن اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا۔ قسم ہے اللہ کی! اللہ مؤمن کے لیے کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرتا جس میں خیر نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

الرضا بقضاء اللہ یھون عظیم الرزایا۔[2]

اللہ کے فیصلے پر راضی ہونے سے بڑی مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ان اعلم الناس باللہ ارضاھم بقضاء اللہ عز و جل۔[3]

لوگوں میں اللہ کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا وہ شخص ہے جو اللہ کے فیصلے پر سب سے زیادہ راضی ہو۔

جو شخص یہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے، وہ بندوں پر خود ان سے زیادہ مہربان ہے۔ اس کے فیصلوں میں کسی قسم کی خطا کا امکان نہیں ہے، نہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہے۔ پس اس مہربان رب کا فیصلہ میرے حق میں ہے اور میری بہتری اسی میں

---

[1] شرح فارسی شہاب الاخبار للقضاعی ص ۲۹۱
[2] غرر الحکم ص ۱۰۳ ح ۱۸۳۵
[3] الکافی ۲: ۶۰ باب الرضا بالقضاء

ہے۔ مثلاً مریض مومن کو اللہ کے بارے میں جس قدر علم ہوگا وہ اسی قدر اس بیماری راضی رہے گا۔ مثلاً مریض کو علم ہو جائے کہ بیماری سے گناہ دھل جاتے ہیں تو یہ عارف بندہ اس بیماری پر صحت سے زیادہ راضی ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر یہ بیماری لاحق نہ ہوتی تو وہ اپنے گناہوں کو اپنی پشت پر لاد کر محشر میں حاضر ہوتا اور اہل محشر کے درمیان رسوا ہو جاتا۔

روایت ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے اسلام اور ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ (ع) نے فرمایا:

انما هو الاسلام والايمان فوقه بدرجة والتقوى فوق الايمان بدرجة واليقين فوق التقوى بدرجة ولم يقسم بين الناس شيء اقل من اليقين. قال قلت: فاي شيء اليقين؟ قال: التوكل على الله والتسليم لامر الله والرضا بقضاء الله والتفويض الى الله.[1]

دین فقط اسلام ہے اور ایمان اسلام سے ایک درجہ بالاتر ہے اور تقویٰ ایمان سے ایک درجہ بالاتر ہے اور یقین ایک درجہ تقویٰ سے بالاتر ہے اور لوگوں کے درمیان یقین سے کم کوئی چیز تقسیم نہیں کی گئی۔ راوی کہتا ہے: میں نے کہا: یقین کیا چیز ہے؟ فرمایا: اللہ پر توکل اور اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا، اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا اور (اپنے امور) اللہ کے سپرد کر دینا۔

[1] الکافی ۲: ۵۲ باب فضل الایمان

استغفار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

طوبی لمن وجد فی صحیفة عمله یوم القیامة تحت کل ذنب استغفر الله.

خوش خبری ہے اس شخص کے لیے روز قیامت جس کے ہر عمل کے صحیفے میں ہر گناہ کے نیچے استغفر اللہ موجود ہو۔

(جامع الاخبار ص ۹۱ الفصل ۲۶ فی الاستغفار)

بندگی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اپنی کوتاہیوں اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرے۔ اللہ سے کسی چیز کا طلب کرنا خود عبادت اور بندگی ہے اور اللہ کو پسند ہے اور اگر یہ طلب گناہوں کی معافی سے متعلق ہے تو اس میں اور خوبی آ جاتی ہے۔ اس طرح استغفار میں بندگی سے متعلق دو اہم باتیں موجود ہیں:

اول یہ کہ اللہ کی بارگاہ سے طلب کرنا جو اللہ کو پسند ہے۔

دوم یہ کہ اپنے گناہ اور تقصیر کا اعتراف کرنا۔ یہ بھی اللہ کو بہت پسند ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝[1]

اور نہ ہی اللہ انہیں عذاب دینے والا ہے جب وہ استغفار کر رہے ہوں۔

اس آیت کے تحت استغفار عذاب کے سامنے ایک ڈھال ہے اور گناہ سے نکلنے کا آسان ترین راستہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

خیر الدعاء الاستغفار۔[2]

بہترین دعا استغفار ہے۔

نیز حدیث نبوی (ص) ہے:

خیر العبادة الاستغفار۔[3]

---

[1] انفال: ۳۳

[2] الکافی ۲: ۵۰۴

[3] الکافی ۲: ۵۱۷ باب قال لا الہ الا اللہ

بہترین عبادت استغفار ہے۔

استغفار میں عبادت کا پہلو اس طرح ہے کہ استغفار کرنے والے کا ضمیر بیدار ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کا عبد سمجھتا ہے اور جو گناہ سرزد ہوا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گستاخی سمجھتا ہے۔ بندگی کا یہ احساس عبادت ہے اور معافی کی درخواست کرنا اور اپنی عاجزی کا اظہار کرنا بھی عبادت ہے۔ اس طرح استغفار کرنا بہترین عبادت ٹھہرا۔

حیات دنیوی پر استغفار کے اثرات

استغفار کرنا ایک ایسا بابرکت عمل ہے جس سے جہاں آخرت کے لیے گناہ دھل جاتے ہیں وہاں دنیا کے لیے رزق کی فراوانی ہوتی ہے اور زندگی آسودہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اگر استغفار کرو تو تم دنیا و آخرت دونوں میں آسودہ ہو جاؤ گے۔ حضرت نوح (ع) کی زبانی قرآن میں ارشاد ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ○ وَّيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهٰرًا ○[1]

اور کہا: اپنے پروردگار سے معافی مانگو، وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا۔ وہ اموال اور اولاد کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنائے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا ہے:

اکثروا الاستغفار فانہ یجلب الرزق۔[2]

کثرت سے استغفار کرو کیونکہ یہ رزق کو جذب کرتا ہے۔

[1] نوح: ۱۰ تا ۱۲

[2] کنز الفوائد ۲: ۱۹۷ فصل معاروی فی الارزاق

دوسری حدیث نبوی میں منقول ہے:

من اکثر من الاستغفار جعل الله له من کل هم فرجا ومن کل ضیق مخرجاً ورزقه من حیث لا یحتسب.[1]

جو کثرت سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے رہائی عنایت کرے گا اور جہاں سے اسے گمان تک نہ ہو وہاں سے رزق عنایت فرمائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

و قد جعل الله تعالیٰ الاستغفار سبباً لِدُرُورِ الرزق ورحمة الخلق.[2]

اللہ تعالیٰ نے استغفار کو رزق کی فراوانی اور مخلوق کے لیے رحمت کا سبب قرار دیا ہے۔

اس جگہ مولائے متقیان امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا ایک فرمان نہایت قابل توجہ ہے:

المؤمن بین نعمة و خطیئة لا یصلحهما الا الشکر و الاستغفار.[3]

مؤمن نعمت اور خطا کے درمیان ہوتا ہے۔ ان دونوں کی اصلاح صرف شکر اور استغفار کر سکتے ہیں۔

ابراہیم بن سہل راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو لکھا: میں ایک سنگین قرض میں مبتلا ہوں۔

آپ علیہ السلام نے جواب میں لکھا:

اکثر من الاستغفار و رَطِّب لسانك بقراءة انا انزلناه.[4]

---

[1] عوالی اللئالی ۱: ۷۰ ۱ فصل ۸

[2] اعلام الدین صفحہ ۲۸۵

[3] غرر الحکم صفحہ ۹۰ ۔ حکمت: ۷ ۱۵۲

[4] الکافی ۵: ۷ ۳۱ باب النوادر

کثرت سے استغفار کرو اور اپنی زبان کو انا انزلناہ کی تلاوت سے تر کرو۔

پریشانی کا علاج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث منقول ہے:

ومن کثرت همومه فعلیه بالاستغفار.[1]

جسے زیادہ پریشانی لاحق ہو وہ استغفار کرے۔

رفع بلاء

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

وادفعوا ابواب البلاء بالاستغفار.[2]

بلاؤں کے دروازے استغفار کے ذریعے بند کرو۔

قبولیت کی ضمانت

استغفار ایک ایسا عمل ہے جو صدق دل سے مؤمن سے صادر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی ضمانت مل جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝[3]

کہہ دیجیے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے، وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ

---

[1] الکافی ۸: ۹۳ حدیث الریاح

[2] الاصول الستۃ عشر ص ۲۴۳

[3] الزمر: ۵۳

لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝[1]

کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول یہ فرمان قابل توجہ ہے:

عوّدوا السنتكم الاستغفار فان الله تعالیٰ لم يُعلّمكم الاستغفار الا وهو يريد ان يغفر لكم.[2]

اپنی زبانوں کو استغفار کا عادی بناؤ۔ اللہ نے تمہیں استغفار کی تعلیم نہیں دی مگر اس لیے کہ وہ تمہیں معاف کرنا چاہتا ہے۔

استغفار کے اخروی ثمرات

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

لا صغيرة مع الاصرار ولا كبيرة مع الاستغفار.[3]

تکرار سے گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار سے گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔

یہی روایت الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے:[4]

نیز حدیث نبوی (ص) ہے:

طوبى لمن وجد فی صحيفة عمله يوم القيامة تحت كل ذنب استغفر الله.[5]

بشارت ہو اس شخص کے لیے قیامت کے دن جس کے صحیفہ عمل میں ہر گناہ کے نیچے استغفر اللہ موجود ہو۔

---

[1] آل عمران: ٣١

[2] الدعوات ص ١٣ فصل ٢

[3] الکافی ٢: ٢٨٨ باب الاصرار علی الذنب

[4] الکافی ٢: ٢٨٨

[5] جامع الاخبار ص ٥٦ فصل ٢٦ فی الاستغفار

نیز حدیث نبوی (ص) ہے:

ان للقلوب صدأ کصدا النحاس فاجلوها بالاستغفار۔[1]

دلوں کو زنگ لگتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگتا ہے۔ اسے استغفار کے ذریعے صاف کرو۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں استغفار کے ساتھ چند ایک اہم باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے:

لا یعذب اللہ مؤمنا بعد التوبة والاستغفار الا بسوء ظنه باللہ وتقصیره من رجائه وسوء خلقه واغتیابه للمؤمنین۔[2]

اللہ مؤمن کو توبہ و استغفار کے بعد عذاب نہیں دیتا مگر یہ کہ وہ اللہ سے بدگمانی رکھے۔ اس سے امید رکھنے میں کوتاہی کرے، بداخلاق ہو، مؤمنین کی غیبت کرتا ہو۔

قابل توجہ ہے: انسان کی توبہ قبول ہونے کے باوجود درج ذیل گناہوں کے مرتکب افراد کو عذاب سے نجات حاصل نہ ہوگی:

۱۔ اللہ کی رحمت کے بارے میں بدگمانی کرنے والا اور یہ سوچ رکھنے والا کہ اللہ مجھے معاف نہیں کرے گا، مجھے عذاب میں ڈالنا ہی ڈالنا ہے اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا۔ اللہ کے بارے میں اس قسم کی بدگمانی رکھنے والوں کو عذاب سے نجات نہیں ملے گی۔

۲۔ اللہ سے امید وابستہ رکھنے میں کوتاہی کرنے والا عذاب سے نہیں بچے گا۔ وہ امور میں اپنی مہارت اور تجربے سے امید وابستہ کرتا ہے اللہ کی رحمت سے نہیں۔ اس کی سوچ یہ ہے کہ مجھے خود کچھ کرنا ہے، اللہ کی رحمت کی امید میں نہیں بیٹھنا۔

---

[1] نزھة الناظر صفحہ ۲۸

[2] الکافی ۲: ۷۲ باب حسن الظن باللہ

واضح رہے انسان کچھ نہ کرے اور صرف رحمت خدا کے انتظار میں بیٹھا رہے یہ بھی درست نہیں ہے بلکہ اسے ممکنہ وسائل بروئے کار لانے چاہئیں اور نتیجے کے لیے اللہ کی رحمت کا انتظار کرے۔ واجبات پر عمل اور محرمات سے پرہیز کرنے کے بعد کوتاہیوں سے درگزر کرکے قبولیت کے لیے اللہ کی رحمت کی امید رکھنی چاہیے۔

۳۔ بداخلاقی کے برے اثرات کا اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ توبہ کے بعد بھی بداخلاقی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ بداخلاقی میں جرم یہ ہے کہ وہ بندگان خدا سے اچھا سلوک نہیں کرتا، خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتا۔ اس شخص پر جہاں بندگانِ خدا ناراض ہوتے ہیں وہاں اللہ بھی ناراض ہوتا ہے۔

۴۔ غیبت: یہ ہے کہ کسی مؤمن سے سرزد ہونے والی کوتاہی یا اس میں موجود عیب، جو اس کا ایک راز تھا آپ کے علم میں آیا تو آپ نے اسے فاش کر دیا اور مؤمن کا وقار مجروح ہوگیا۔ واقعہ سچ ہے اس پر گناہ کیوں؟ جواب یہ ہے کہ غیبت اور چغل خوری دونوں میں بات سچی ہوتی ہے۔ غیبت میں یہ سچ اس لیے گناہ ہے کہ اس سے مؤمن کا راز فاش ہوگیا اور اس کا وقار مجروح ہوا جو احترام آدمیت کے منافی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور چغل خوری کے نتیجے میں آپس میں عداوت اور کینہ پیدا ہوتا ہے اس لیے یہ دونوں سچ، گناہ عظیم ہیں۔

مؤمن کا وقار اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ اسے مجروح کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب شمار ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ثلاث لا یضر معھن شیء الدعاء عند الکرب و

الاستغفار عند الذنب و الشکر عند النعمة۔[1]

تین باتیں ہیں جن کی موجودگی میں کوئی ضرر نہیں پہنچے گا: مصیبت کے وقت دعا، گناہ سرزد ہونے کی صورت میں استغفار اور نعمت حاصل ہونے کی صورت میں شکر۔

دوسری روایت کے مطابق آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لکل شیء دواء و دواء الذنوب الاستغفار۔[2]

ہر شیء کی کوئی نہ کوئی دوا ہوتی ہے اور گناہوں کی دوا استغفار ہے۔

تیسری روایت کے مطابق آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اذا اکثر العبد من الاستغفار رفعت صحیفته وھی تتلألأ۔[3]

بندہ جب استغفار کرتا ہے تو اس کا صحیفۂ عمل چمکتے ہوئے بلند ہو جاتا ہے۔

چوتھی روایت کے مطابق آپ (ع) فرمایا:

ما من عبد اذنب ذنبا الا اجل من غدوة الی اللیل فان استغفر الله لم یکتب علیه۔[4]

کوئی بندہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو سویرے سے لے کر رات تک ڈھیل دی جاتی ہے اگر اس نے استغفار کیا تو یہ گناہ نہیں لکھا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

ما اھدی الی المیت ھدیة و اتحف تحفة افضل من

[1] الکافی ۲: ۹۵ باب الشکر

[2] الکافی ۲: ۴۳۹ باب الاستغفار

[3] الکافی ۲: ۵۰۴ باب الاستغفار

[4] الزھد ص ۷۰ باب ۱۲ التوبة و الاستغفار

الاستغفار۔[1]

اموات کے لیے استغفار سے بہتر نہ کوئی ہدیہ ہے نہ کوئی تحفہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اذا هم العبد بسيئة لم تكتب عليه واذا هم بحسنة كتبت له۔[2]

بندہ جب گناہ کا قصد کرتا ہے تو گناہ نہیں لکھا جاتا لیکن جب نیکی کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

❁❁❁❁❁

---
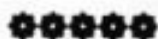
[1] الجعفریات ص ۲۸۸ باب فضل الاستغفار

[2] الزهد ص ۲ ۷ باب ۱۲ التوبۃ و الاستغفار

گریہ از خوف خدا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

البکاء من خشیة الله یطفئ بحاراً من غضب الله.

خوف خدا سے گریہ اللہ کے غضب کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

(ارشاد القلوب الی الصواب للدیلمی ۱: ۹۶ باب ۲۳)

گریہ اپنی جگہ رقت قلب کی علامت ہے۔ رقت قلب انسان کی ایک اہم خوبی ہے، بہ نسبت اس شخص کے جس کا دل شقاوت قلبی کی وجہ سے کسی کے لیے درد نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کی آنکھیں تر ہوتی ہیں۔ طبی اعتبار سے گریہ کی افادیت تو طبی ماہرین بہتر بتا سکتے ہیں کہ آنکھوں سے نکلنے والے آنسو انسانی صحت و اعتدال کے لیے کس اہمیت کے حامل ہیں۔ یہاں تک طبی ماہرین کو اس بات کا علم ہوا ہے کہ رقت قلبی سے نکلنے والے آنسوؤں کے انسانی صحت پر مثبت اثرات ہیں جب کہ کوئی آنسو اگر دھوئیں وغیرہ کی وجہ سے نکلے، رقت قلبی سے نہ ہو تو اس کے کوئی مثبت اثرات نہیں ہوتے چونکہ رقت قلبی سے نکلنے والے آنسو انسان کے دماغی تاثرات سے نکلتے ہیں جن سے دماغ میں موجود فاضل رطوبت کا اخراج ہوتا ہے جب کہ دھوئیں وغیرہ سے نکلنے والے آنسو دماغی تاثرات سے نہیں بلکہ دماغ سے نیچے اعصاب چشم سے نکلتے ہیں۔

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب سن کر نکلنے والے آنسو انسانی دماغی تاثرات کی گہرائیوں سے نکلنے والے عقیدت کے آنسو ہیں۔ ان آنسوؤں کے بھی اپنے دیرپا اثرات ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

من دمعت عینه فینا دمعة لدم سفك لنا او حق لنا نُقِصناه او عرض انتهك لنا او لاحد من شیعتنا بوأه الله تعالیٰ بها فی الجنة حقباً۔[1]

جس کی آنکھیں ہمارے بارے میں اشکبار ہوں۔ ہمارے بہائے

[1] الامالی للمفید ص ۱۷۵ مجلس ۲۲

جانے والے خون اور غصب کیے ہوئے حق کے بارے میں اور ہماری ناموس کی بے حرمتی کے بارے میں یا ہمارے شیعوں کے بارے میں اشکبار ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں دائمی جگہ دے گا۔

قارئین محترم کی خدمت میں اس جگہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا وہ فرمان جو آپ (ع) نے اپنے شاگرد رشید مفضل بن عمر کے لیے بیان فرمایا درج کرتے ہیں جو کتابی شکل میں توحید مفضل کے نام سے مشہور اور مطبوع ہے۔

اے مفضل! تجھے علم ہونا چاہیے، بچوں کے گریہ میں کیا فائدے ہیں؟ قابل توجہ ہے بچوں کے دماغ میں رطوبت موجود ہے وہ اگر دماغ میں باقی رہ جائے تو آیندہ ان کے لیے حادثے رونما ہو سکتے ہیں اور بڑی بیماریاں لاحق ہو جائیں گی۔ جیسے بینائی کا چلے جانا وغیرہ۔ اگر گریہ سے یہ رطوبت ان بچوں کے دماغوں سے نکل جائے تو ان کے جسم صحت مند اور بینائی سلامت رہتی ہے۔ کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ بچوں کے رونے میں خود ان کا فائدہ ہے۔ جب کہ والدین بچے کو چپ کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور بچے کی پسند کی چیز تلاش کرتے ہیں اور ان دونوں کو علم نہیں ہے کہ گریہ بچے کے فائدے میں ہے اور اس کی عافیت کے لیے مناسب ترین ہے۔ اسی طرح بہت سی چیزوں میں فائدے ہوتے ہیں لیکن ان فوائد کو نہ جاننے والے ختم کر دیتے ہیں۔ اگر وہ ان فائدوں سے باخبر ہوتے تو وہ ان باتوں کو ختم نہ کرتے۔

پھر فرمایا:

رجو پانی بچوں کے منہ سے بہ جاتا ہے اس سے وہ رطوبت نکل جاتی ہے جو اگر جسم میں رہ جاتی تو بڑے حادثے رونما ہوتے۔ وہ یا تو کم عقل ہو جاتے یا دیوانے یا جسموں میں ہلاکت خیز

امراض پیدا ہو جاتے جیسے فالج، لقوہ وغیرہ۔[1]

گریہ امان ہے

خوف خدا سے گریہ کے اثرات خود گریہ کرنے والے تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس کے وسیع اور دور رس اثرات ہیں۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

لو ان باكيا بكى في امة لرحم الله تلك الامة لبكائه.[2]

اگر ایک قوم میں کوئی گریہ کرنے والا گریہ کرتا ہے تو اس کے گریہ کی وجہ سے پوری قوم پر اللہ رحم فرماتا ہے۔

اسی طرح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

ولو ان رجلا بكى في امة فقطرت منه دمعة لرحموا ببكائه.[3]

اگر کسی قوم میں ایک شخص گریہ کرتا ہے اور ایک قطرہ آنسو گر جاتا ہے تو اس کے گریہ پر پوری قوم پر اللہ رحم فرمائے گا۔

گریہ آگ کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے

گریہ ایمان و ایقان کے بہتر درجے پر فائز ہونے کی علامت اور رحم طلبی کا بہترین اور قوی ترین مظاہرہ ہے۔ دعائے کمیل میں مولا الموحدین علیہ السلام نے گریہ کو بندے کا اسلحہ قرار دیا ہے: وسلاحه البكاء.

اس لیے گریہ کے اثرات حیرت انگیز ہیں۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

البكاء من خشية الله يطفىء بحاراً من غضب الله.[4]

خوف خدا سے گریہ اللہ کے غضب کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے نوف بکالی سے فرمایا:

---

[1] توحید مفضل ص ۵۳

[2] ارشاد القلوب ۱: ۹۶ باب ۲۳

[3] الزہد ص ۷۶ باب ۱۳

[4] ارشاد القلوب ۱: ۹۶ باب ۲۳

يا نوف! انه ليس من قطرة قطرت من عين رجل من خشية الله الا اطفأت بحاراً من النيران.[1]

اے نوف! کوئی قطرہ خوف خدا سے کسی شخص کی آنکھ سے گرتا ہے تو وہ آتش کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

فان القطرة منها تطفیء البحار من النار.[2]

آنسو کا ایک قطرہ آتش کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

اللہ کا پسندیدہ ترین قطرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

من يقطر فی الارض قطرة احب الی الله من قطرة دمع فی سواد اللیل من خشیته لا یراه احد الا الله عز وجل.[3]

زمین پر گرنے والے قطروں میں اللہ کو سب سے زیادہ آنسوؤں کا وہ قطرہ محبوب ہے جو اس کے خوف سے رات کی تاریکی میں بہے جسے اللہ عز وجل کے علاوہ اور کوئی نہ دیکھے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے:

وما من قطرة احب الی الله من قطرتین قطرة دم فی سبیل الله وقطرة دمع فی سواد اللیل لا یرید بها عبد الا الله عز وجل.[4]

اللہ عز وجل کو دو قطروں سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک راہ خدا میں گرنے والے خون کا قطرہ اور دوسرا رات کی

[1] فلاح السائل ونجاح المسائل ص ۲۶۷ فصل ۳۰
[2] الکافی ۲: ۴۸۲
[3] جامع الاخبار ص ۹۷ فصل ۵۳
[4] وسائل الشیعۃ ۷: ۷۵

تاریکی میں خوف خدا سے گرنے والا آنسو کا قطرہ۔

قیامت کے "فزع اکبر"
(بڑی ہولناکی) سے نجات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مروی ہے:

من خرج من عينيه مثل الذباب من الدمع من خشية الله آمنه الله من الفزع الاكبر.[1]

کسی کی آنکھوں سے مکھی (کے پر کے) برابر خوف خدا سے آنسو نکلے تو اللہ فزع اکبر (بڑی ہولناکی) کے دن اسے امن دے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

كل عين باكية يوم القيامة الا ثلاثة اعين عين بكت من خشية الله وعين باتت ساهرة في سبيل الله وعين غضت من محارم الله.[2]

قیامت کے دن ہر آنکھ رو رہی ہوگی، سوائے تین آنکھوں کے، وہ آنکھ جو خوف خدا میں روتی رہی ہو، وہ آنکھ جو راہ خدا میں جاگتی رہی ہو، وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے چشم پوشی کرتی رہی ہو۔

گریہ نجات دھندہ ہے

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے:

ثلاث منجيات للمؤمن كف لسانه عن الناس واغتيابهم و اشغاله نفسه بما ينفعه لدنياه وآخرته و طول بكائه على خطيئته.[3]

---

[1] روضۃ الواعظین ۲: ۴۵۲

[2] ثواب الاعمال ص ۱۷۷ ثواب البکاء

[3] معدن الجواهر ص ۳۳ باب ذکر ماجاء فی ثلاثة

تین چیزیں مومن کے لیے نجات دہندہ ہیں۔ لوگوں کے بارے میں اور ان کی غیبت سے زبان کو روکے رکھنا، اپنی دنیا و آخرت کے لیے مفید کاموں میں مشغول رہنا اور اپنے گناہوں پر دراز مدت گریہ کرنا۔

گریہ کرنے والا رفیع اعلیٰ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

یا اباذر ان ربي اخبرني فقال: وعزتي وجلالي ما ادرك العابدون درك البكاء عندي شيئاً واني لابني لهم في الرفيق الاعلى قصراً لا يشاركهم فيه احد.[1]

اے ابوذر! میرے رب نے مجھے خبر دی ہے اور فرمایا: میری عزت وجلالت کی قسم! عبادت گزاروں نے وہ مقام نہیں پایا جو گریہ کرنے والوں کو میرے نزدیک حاصل ہے اور میں ان کے لیے رفیق اعلیٰ میں ایک قصر تعمیر کروں گا جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا۔

واضح رہے الرفیق الاعلی اس مقام کو کہتے جہاں انبیاء، اولیاء کی رفاقت حاصل ہوتی ہے۔ اس مقام کو الرفیع الاعلیٰ بھی کہتے ہیں اور الرفیق الاعلیٰ بھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اوحى الله عزوجل الى موسى: ان عبادي لم يتقربوا اليّ بشيء احب اليّ من ثلاث خصال. قال موسى: يارب وما هن قال يا موسى: الزهد في الدنيا والورع عن المعاصي و البكاء من خشيتي قال موسى يارب فما لمن صنع ذا؟ فاوحى الله عزوجل اليه يا موسى: اما الزاهدون في الدنيا

---

[1] امالی طوسی ص ۵۳۲ جلس ۱۹

ففی الجنة و اما البکاءون من خشیتی ففی الرفیع الاعلی لا یشارکهم احد واما الورعون عن معاصی فانی افتش الناس ولا افتشهم.[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی: میرے بندوں نے میری پسند کی تین خصلتوں کی طرح کسی اور عمل سے میری قربت حاصل نہیں کی، موسیٰ نے عرض کیا: یارب: وہ کیا ہیں؟ فرمایا: دنیا میں زہد اختیار کرنا، گناہوں سے دور رہنا، میرے خوف سے گریہ کرنا۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے رب! ایسے کرنے والوں کا کیا ثواب ہے؟ اللہ نے فرمایا: زاہدوں کو جنت ملے گی۔ گریہ کرنے والے رفیع اعلیٰ میں ہوں گے ان کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہوگا اور گناہوں سے دور رہنے والوں سے حساب نہیں لوں گا جب کہ لوگوں سے حساب لوں گا۔

آنسو میزان عمل میں وزن سے بھی بالاتر ہے

اسلامی تعلیمات میں ایک مسلّم حقیقت قیامت کے دن "اعمال کا وزن" ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ....[2]

اور اس دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے۔

اعمال کے وزن سے مراد اعمال کی قدر کا تعین ہے اور اعمال کی قدر و قیمت کا تعین عمل کی نوعیت، عمل کرنے والے کی اللہ کی نظر میں قدر و قیمت، اس کے اخلاق و اخلاص اور مرتبہ ایثار اور درجۂ ایمان کے مطابق ہوگی۔ اعمال کی قدر و قیمت کا تعین اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کے مطابق جزا و سزا دی جائے۔ یعنی عدل و انصاف کے

---

[1] الکافی ۲: ۴۸۳ باب البکاء

[2] الاعراف: ۸

مطابق جزا و سزا دی جائے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ .... [1] اور قیامت کے دن عدل کا ترازو قائم کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ما من شیء الا وله کیل او وزن الا الدموع فان القطرة تطفیء بحاراً من النار فاذا اغرورقت العین بمائها لم یرهق قتر ولا ذلة فاذا فاضت حرمه الله علی النار ولو ان باکیا بکی فی امة لرحموا۔ [2]

کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے لیے ناپ اور تول نہ ہو سوائے آنسو کے۔ آنسو کا ایک قطرہ آتش کے سمندروں کو خاموش کر دیتا ہے، جب کسی شخص کی آنکھ آنسو سے پر ہو جاتی ہے تو (قیامت کے دن) اس پر کوئی سیاہ دھبہ ہو گا نہ ذلت کے آثار اور جب آنسو بہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے آتش جہنم پر حرام کر دے گا، اگر ایک قوم میں کوئی ایک رونے والا روئے تو پوری قوم پر رحم کیا جائے گا۔

میزان عمل میں آنسو کا وزن سے بالاتر ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ آنسو کی قدر و قیمت تعین کی حد سے بالاتر ہے ذلك من فضل الله حیرت کا مقام ہے۔ خداوند مہربان اپنے بے چارے بندے پر کس قدر فضل و کرم کرتا ہے کہ ایک آنسو کو اس قدر پسند فرماتا ہے کہ اس کی قدر و قیمت ناقابل وصف و بیان ہو جاتی ہے۔

گریہ بہترین وسیلہ قربت ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

قال فیما ناجی به الله موسی (ع) علی الطور ان یا موسیٰ: ابلغ قومك انه ما یتقرب الیَّ المتقربون بمثل البکاء من

[1] الانبیاء: ۴۷

[2] الکافی ۲: ۴۸۱ باب البکا

خشیتی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے طور پر ہمکلامی میں فرمایا: اپنی قوم کو یہ بتا دو کہ میرے خوف سے گریہ کی طرح میری قربت حاصل کرنے والوں میں سے کسی نے قربت حاصل نہیں کی۔

یعنی جو قربت خوف خدا سے گریہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں ہوتی۔

اللہ کے خوف سے گریہ کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے درود ورضوان حاصل ہوتا ہے

ان ابراھیم ع سال ربہ قال: یاربّ ما جزاء من سال الدمع عن وجھہ من خشیتك؛ قال: صلواتی ورضوانی۔[2]

حضرت ابراہیم ع نے اپنے رب سے سوال کیا: اے میرے رب! اس شخص کا ثواب کیا ہے جس کے چہرے پر تیرے خوف سے آنسو جاری ہوتے ہوں؟ فرمایا: میرا درود اور میری رضوان (خوشنودی)۔

اللہ کی طرف سے رضوان (خوشنودی) کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ .... [3] اللہ کی خوشنودی وصف وبیان سے بڑھ کر ہے۔

سنی مصادر میں ابن ابی الدنیا نے گریہ کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں چند ایک احادیث منقول ہیں:

۱۔ حسن بصری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما من قطرۃ احب الی اللہ من قطرۃ دم فی سبیل اللہ وقطرۃ دموع قطرت من عین رجل فی جوف اللیل من

---

[1] ثواب الاعمال ص ۱۷۲

[2] مسکن الفؤاد ص ۱۱۶

[3] التوبہ: ۷۲

خشیۃ اللہ۔
اللہ کے نزدیک راہ خدا میں گرنے والے خون کے قطرے اور رات کی تاریکی میں خوف خدا سے گرنے والے قطرے سے زیادہ پسندیدہ کوئی قطرہ نہیں ہے۔
۲۔عین بکت من خشیۃ اللہ لا تمسھا النار ابداً۔
اللہ کے خوف سے رونے والی آنکھ کو آتش کبھی نہیں چھو سکے گی۔
۳۔ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میں آتش سے کیسے بچوں؟ فرمایا:
بدموع عینیک فان عینا بکت من خشیۃ اللہ لا تمسھا النار ابداً۔
تو اپنی دونوں آنکھوں کے آنسوؤں کے ذریعے بچ سکے گا چونکہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے گریہ کرے گی اسے ہرگز آتش نہیں چھو سکے گی۔

۴۔لا تری النار عین بکت من خشیۃ اللہ و لا عین سھرت فی سبیل اللہ۔
وہ آنکھ جو خوف خدا سے گریہ کرتی ہو اور وہ آنکھ جو راہ خدا میں بیدار رہتی ہو اسے آتش دیکھنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

ملاحظہ ہو کتاب: الرقۃ والبکاء لابن ابی الدنیا

مولائے متقیان علی علیہ السلام کا گریہ

ضرار بن ضمرہ کہتے ہیں:
ایک بار میں معاویہ کے ہاں داخل ہوا تو معاویہ نے مجھ سے کہا: کچھ علی (علیہ السلام) کے اوصاف بیان کرو۔ میں نے معذرت چاہی مگر اس نے میری معذرت قبول نہیں کی، اس پر میں نے کہا:

كان والله غزيرة العبرة طويل الفكرة يحاسب نفسه و يقلب كفه و يناجي ربه. يعجبه من اللباس ما خشن و من الطعام ما جشب، و اشهد بالله لقد رأيته في بعض مواقفه وقد ارخى الليل سدوله و غارت نجومه و هو قائم في محرابه قابض على لحيته يتململ تململ السليم ويبكي بكاء الحزين.

فكاني الان اسمعه وهو يقول: يا دنيا يا دنيا الي تعرضت؟ ام اليّ تشرقت. هيهات هيهات غرّي غيري لا حاجة لي فيك وقد طلقتك ثلاثا لا رجعة فيها فعمرك قصير و خطرك يسير و املك حقير آه آه من قلة الزاد و بعد السفر و وحشة الطريق وعظيم المورد. ثم بكى حتى ظننت ان نفسه قد خرجت.[1]

قسم بخدا علی (علیہ السلام) فراواں آنسو بہانے والے طویل تفکر میں رہنے والے تھے، اپنا محاسبہ کرتے اور کف افسوس ملتے رہتے تھے۔ اپنے رب سے راز و نیاز کرتے رہتے تھے، لباس میں کھردرے کو پسند کرتے اور نامرغوب کھانا کھاتے تھے۔

میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بعض مقام پر دیکھا کہ رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے، ستارے غروب ہو چکے ہیں، علی (علیہ السلام) اس وقت محراب عبادت میں اپنی ریش مبارک کو تھام کر کھڑے ہیں اور مارگزیدہ کی طرح کراہ رہے ہیں اور غمزدہ کی طرح رو رہے ہیں:

گویا کہ میں اس وقت بھی ان کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں:

[1] شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ۱۸: ۲۲۴

اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرے در پے ہے؟ اور مجھے شوق دلا رہی ہے؟ دور ہے یہ بات، دور ہے۔ میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے، مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تجھے تین بار طلاق دے دی ہے، جس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے۔
تیری زندگی کوتاہ، تیری اہمیت ناچیز اور تیری آرزو حقیر ہے۔
آہ! آہ! زاد راہ کتنا تھوڑا اور سفر کتنا لمبا اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے اور جہاں پہنچنا ہے وہ کتنی عظیم بارگاہ ہے۔ پھر آپ علیہ السلام اس قدر روئے کہ میں نے گمان کیا آپ کی جان، جان آفرین کے سپرد ہوگئی ہے۔
بعض روایات میں آیا ہے اس کے بعد معاویہ نے بھی رونا شروع کیا اور اپنی آستین سے آنسو پونچھنے لگا اور حاضرین نے بھی گریہ کیا۔
پھر معاویہ نے ضرار سے پوچھا:
تم علیؑ سے کس قدر محبت کرتے ہو؟ کہا: جیسے مادر موسیٰ کی موسیٰ سے محبت تھی۔ پھر بھی میں علی (علیہ السلام) کی محبت میں کوتاہی پر اللہ کی بارگاہ میں عذر خواہی کرتا ہوں۔
معاویہ نے کہا:
تم علی (ع) سے جدائی پر کیسا صبر کرتے ہو؟ کہا: اس ماں کی طرح صبر کرتا ہوں جس کا اکلوتا بیٹا اس کی گود میں ذبح کیا گیا ہو۔
پھر ضرار روتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ معاویہ نے اپنے درباریوں سے پوچھا:
کیا تم میں کوئی ایسا بندہ ہے جو میرے مرنے کے بعد میری بھی اسی طرح تعریف کرے؟
کسی نے کہا: جیسے ساتھی ویسے یار۔

گناہ کو ناقابل اعتنا سمجھنا

حضرت علی علیہ السلام

اشد الذنوب ما استهان به صاحبه.

شدید ترین گناہ وہ ہے جس کا مرتکب اسے معمولی سمجھے

(نہج البلاغۃ ص ۵۳۵ حکمت ۳۴۸)

یہ بات بندگی کے سراسر منافی ہے کہ اللہ کی نافرمانی کر کے اسے قابل اعتنا نہ سمجھے۔ اس میں بندگی کے منافی دو باتیں ہیں:
پہلی بات یہ ہے کہ اس نے اپنے رب کی معصیت کی اور نافرمانی کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس نے اس نافرمانی کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی نظر میں اپنے رب کے حکم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ مقام رب کی اہانت ہے کہ بندہ یہ سمجھے کہ اگر اللہ کے حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو کیا حرج ہے۔ یہ بے اعتنائی اپنی جگہ جرم ہے۔ یہ اس جرم کے علاوہ ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔
آداب بندگی یہ ہیں کہ اپنی اطاعت کو قلیل یا ناچیز سمجھے اور قلیل گناہ کو بڑی گستاخی سمجھے۔ یہ بات بندگی کے خلاف ہے کہ اپنی قلیل اطاعت پر اترائے اور کثیر گناہ کو اعتنا میں نہ لائے۔ اس شخص کا بندگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ کبھی دو رکعت نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو وحی کے انتظار میں بیٹھے اور زندگی بھر گناہ کر کے احساس گناہ تک نہ کرے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:
ایاکم والمحقرات من الذنوب فان لکل شیء طالباً الا وان طالبها یکتب مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔[1]
جن گناہوں کو تم ناچیز سمجھتے ہو ان گناہوں کے بارے میں خبردار

[1] الکافی ۲: ۲۸۸ باب استصغار

رہو۔ کیونکہ ہر چیز کا کوئی کھوج لگانے والا ہے اور ان چھوٹے گناہوں کا کھوج لگانے والا ضبط تحریر میں لاتا ہے ہر وہ کام جو وہ آگے بھیج چکے ہیں اور وہ بھی جس کے آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں جمع کیا ہے۔

نیز حدیث نبوی منقول ہے:

لا تنظر الی صغر الخطیئة ولکن انظر الی من عصی[1]

تم اپنے گناہ کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کس کی معصیت کی ہے۔

شدید ترین گناہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اتقوا المحقرات من الذنوب فانہا لا تُغفر۔[2]

ان گناہوں سے بچو جنہیں تم ناچیز سمجھتے ہو چونکہ یہ بخشے نہیں جائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:

اشد الذنوب ما استهان به صاحبه۔[3]

شدید ترین گناہ وہ ہے جس کا مرتکب اسے معمولی سمجھے۔

دوسرے الفاظ میں یوں روایت ہے:

اشد الذنوب ما استخف به صاحبه[4]

شدید ترین گناہ وہ ہے جسے اس کا مرتکب خفیف (ہلکا) سمجھے

ایک اور اسلوب میں روایت اس طرح نقل ہوئی ہے:

[1] امالی طوسی ص ۵۲۸ مجلس ۱۹

[2] الکافی ۲: ۲۸۷ باب استصغار

[3] نہج البلاغہ ص ۵۳۵ حکمت: ۳۴۸

[4] نہج البلاغہ ص ۵۵۹ حکمت: ۴۷۷

اعظم الذنوب عند الله ذنب صغر عند صاحبه.[1]
اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو اس کا ارتکاب کرنے والے کی نظر میں معمولی ہو۔
نیز روایت ہے:
لاتستکثروا کثیر الخیر ولا تستقلوا قلیل الذنوب فان قلیل الذنوب فان قلیل الذنوب یجتمع حتی یکون کثیراً.[2]
کثیر نیکی کو زیادہ نہ سمجھو اور تھوڑے گناہ کو تھوڑا نہ سمجھو چونکہ تھوڑے گناہ جمع ہو کر کثیر ہو جاتے ہیں۔
دعاؤں میں آیا ہے:
اللھم انی اعوذبک... و استصغار المعصیة واستکبار الطاعة.[3]
اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ کو چھوٹا سمجھنے اور اطاعت کو بڑا سمجھنے سے۔

احساس گناہ نہ ہونے سے گناہ صغیرہ نہیں رہتا

انسان میں اگر احساس گناہ نہیں ہے تو وہ ذہن میں کئی گناہ کر جاتا ہے اور اسے محسوس نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہے۔ محسوس نہ ہونے کی وجہ سے وہ شرمندہ اور نادم بھی نہیں ہوتا چونکہ ایسے شخص کے گناہ اس کے معمولات میں شامل ہیں۔ اس صورت میں اس شخص کے چھوٹے چھوٹے گناہ، کبیرہ بن جاتے ہیں اور خود احساس گناہ نہ ہونا گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اس مطلب کو واضح کرتی

---

[1] غرر الحکم و درر الکلم ص ۱۸۷ ذم تحقیر الذنب
[2] الکافی ۲: ۲۸۷
[3] الصحیفة سجادیة ص ۵۶ دعا ۸

ہے:

لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار۔[1]

تکراراً بجا لانے سے گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار سے گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔

احساس گناہ اللہ کی رحمت ہے

انسان کا احساس بندگی اگر زندہ اور ضمیر بیدار ہو تو وہ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر پاتا ہے۔ اللہ کے دربار میں بیٹھ کر اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے شرم محسوس کرے گا اور گناہ سے باز رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول یہ حدیث قابل توجہ ہے۔

ان اللہ اذا اراد بعبد خیراً جعل الذنوب بین عینیہ ممثلۃ۔[2]

اللہ تعالیٰ اگر کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر لیتا ہے تو گناہوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے مجسم (آشکار) کر دیتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

یا اباذر! ان المؤمن لیری ذنبہ کانہ تحت صخرۃ یخاف ان تقع علیہ وان الکافر یری ذنبہ کانہ ذباب مرّ علی انفہ۔[3]

اے ابوذر! مؤمن اپنے گناہ کو ایک چٹان کی طرح دیکھتا ہے جس کے اس پر گرنے کا خطرہ ہے اور کافر اپنے گناہ کو ایک مکھی کی طرح دیکھتا ہے جو اس کی ناک سے گزر گئی۔

[1] الکافی ۲: ۲۸۸

[2] مستدرک الوسائل ۱۱: ۳۲۰

[3] امالی طوسی صفحہ ۵۲۷

تقویٰ

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرة:۱۹۷)

اور زادراہ لے لیا کرو کہ بہترین زادراہ تقویٰ ہے

بندگی کا ایک نہایت اہمیت کا حامل عمل، تقویٰ ہے۔ تقویٰ، وقایۃ سے ہے جو بچاؤ کے معنوں میں ہے۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل کو مضرات سے بچا کر صاف و شفاف کر کے بجالائے۔

عام طور پر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی عمل خیر کو کسی بھی طرح بجالانے سے ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے اور ثواب ملتا ہے۔ خواہ اسے بجالانے کا طریقہ کچھ بھی ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ عمل وہ قبول ہوتا ہے جو بندگی کی منافی باتوں سے پاک ہو۔

ایک نیک عمل کی انجام دہی کے راستے میں اگر گناہ سرزد ہو جائے تو وہ عمل نیک نہیں رہے گا۔ مثلاً ایک مسجد کی تعمیر کے راستے میں کسی مؤمن کی غیبت یا اس کی اہانت ہو جائے تو مسجد بنانا نیکی نہیں رہے گی چونکہ مؤمن کی حرمت مسجد کی حرمت سے زیادہ ہے۔ مؤمن کی حرمت پامال کر کے مسجد بنانا تقویٰ کے بغیر عمل ہے جو قبول نہیں ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ بے شعوری میں کار ثواب کو کار عذاب میں بدل کر انجام دیتے ہیں۔ مسجدوں میں انجمنوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے اقامۂ نماز جیسی نیکی برباد کر دیتے ہیں۔ عزاداری کے قیام کے بارے میں باہمی اختلافات کی وجہ سے جی بھر کر غیبت، بہتان اور الزام تراشیوں کے ذریعے مؤمن کی اہانت کرتے ہیں۔ تنظیموں میں بھی اسی قسم کی اہانتوں کی بہتات ہے اور یہ نہایت بدقسمتی ہے کہ اپنے حسنات میں اضافہ کر کے ضمیر اور وجدان کو معطر کرتے کرتے اسے گناہ کی کثافتوں سے بدبودار بنا ڈالتے ہیں۔

اسی جگہ مولائے متقیان علی علیہ السلام سے روایت شدہ فرمان قابل توجہ ہے:

تصفية العمل اشدّ من العمل۔[1]

[1] الکافی ۸: ۲۴ خطبۃ امیر المؤمنین ع

عمل کو صاف شفاف بنانا خود عمل سے زیادہ مشکل ہے۔

قرآن مجید میں اس بات کا اٹل فیصلہ ہے:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝[1]

اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔

تقویٰ کے بغیر عمل قبول نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ جو عمل خیر انجام دیا جا رہا ہے اس عمل کی انجام دہی میں تقویٰ (بچاؤ) نہیں ہے۔ یعنی اس عمل کے قبول نہ ہونے کے اسباب سے عمل بچایا نہیں گیا۔ جس طرح نقصان پہنچانے والی جڑی بوٹیوں سے فصل کو بچایا جاتا ہے، جیسے صحت کو نقصان پہنچانے والے جراثیموں سے بچایا جاتا ہے، جیسے عمل خیر انجام دینے کی خاطر اپنے آپ کو ریاکاری اور گناہ کے ارتکاب سے بچایا جاتا ہے وغیرہ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عمل تو صاف شفاف ہے لیکن اس عمل کے کرنے والے نے دوسرا کوئی ایسا عمل انجام دے دیا ہے جس کی وجہ سے اس کا کار خیر قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص پورے خلوص سے نماز پڑھتا ہے، ریاکاری نہیں کرتا، نماز کی خاطر کوئی گناہ بھی نہیں کیا مگر اس کی کمائی حلال کی نہیں ہے یا یہ ظالم ہے یا ظالم کا مددگار ہے۔

ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری صورت ان لوگوں کی ہے جن کا عمل تقویٰ کی وجہ سے قبول ہے۔ یعنی مذکورہ دو صورتوں میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے قبول ہے اور ساتھ ان سے ایسے گناہ سرزد ہوتے ہیں جن کا ان کے اعمال صالحہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یعنی عمل صالح، صالح رہتا ہے اور گناہ بھی اپنی جگہ گناہ رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے اعمال قبول ہیں اور گناہ استغفار و توبہ کی وجہ سے معاف ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ذکر کے بعد فرمایا:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ

[1] المائدۃ: ۲۷

سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○[1]

اور کچھ دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا انہوں نے نیک عمل کے ساتھ دوسرے برے عمل کو مخلوط کیا، بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

روایت کے مطابق یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو عمل صالح بھی انجام دیتے ہیں اور ساتھ ان سے گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں لیکن ان کے گناہ سے عمل صالح متاثر نہیں ہوتا۔ ان کے عمل صالح، صالح نہ رہتے تو گناہوں سے مخلوط ہونے کے لیے کوئی عمل صالح نہ بچتا۔ مخلوط کا مطلب یہ ہے کہ عمل صالح اپنی جگہ صالح رہے اور گناہ بھی اپنی جگہ گناہ ہے۔ ایسے لوگوں کے گناہ توبہ واستغفار کی وجہ سے معاف ہو جاتے ہیں بلکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے لفظ عَسَى معافی کا وعدہ ہے۔

قرآن اور متقین

تقویٰ کی اہمیت سمجھنے کے لیے قرآن پر ایک طائرانہ نظر بھی کافی ہے کہ راز اور روح بندگی تقویٰ میں مضمر ہے۔

ذیل میں ہم چند ایک آیات کا ذکر کرتے ہیں جو اہل تقویٰ (متقین) سے متعلق ہیں۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○[2]

اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○[3]

اور نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے۔

[1] التوبة: ۱۰۲۔

[2] المائدة: ۲۷

[3] الاعراف: ۱۲۸

أُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝[1]

جو اہل تقویٰ کے لیے آمادہ کی گئی ہے۔

وَضِيَآءً وَّذِكۡرًا لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝[2]

اور ایک روشنی اور ان متقین کے لیے نصیحت عطا کی۔

وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝[3]

اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں اہل تقویٰ کے لیے ہے۔

وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ.....[4]

اور جنت پرہیزگاروں کے لیے قریب کر دی جائے گی۔

وَاِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ لَحُسۡنَ مَاٰبٍ ۝[5]

تقویٰ والوں کے لیے یقیناً اچھا ٹھکانا ہے۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۝[6]

پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یقیناً نعمت بھری جنتیں ہیں۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا ۝[7]

تقویٰ والوں کے لیے یقیناً کامیابی ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝[8]

اللہ تقویٰ والوں کو یقیناً دوست رکھتا ہے۔

[1] آل عمران: ۱۳۳
[2] الانبیاء: ۴۸
[3] الزخرف ۳۵
[4] ق: ۳۱
[5] ص: ۴۹
[6] القلم: ۳۴
[7] النبأ: ۳۱
[8] آل عمران: ۷۶

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ○[1]

اور جان لو کہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ○[2]

اہل تقویٰ یقیناً باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ○[3]

اور اہل تقویٰ کے لیے یہ کتنا اچھا گھر ہے۔

کَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰہُ الْمُتَّقِیْنَ○[4]

اللہ اہل تقویٰ کو ایسا اجر دیتا ہے۔

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا○[5]

اس روز ہم متقین کو خدائے رحمن کے پاس مہمانوں کی طرح جمع کریں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ○[6]

اہل تقویٰ یقیناً امن کی جگہ میں ہوں گے۔

وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ○[7]

اور اللہ پرہیزگاروں کا حامی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ○[8]

اہل تقویٰ یقیناً جنتوں اور نہروں میں ہوں گے۔

---

[1] التوبۃ: ۳۶

[2] الحجر: ۴۵

[3] النحل: ۳۰

[4] النحل: ۳۱

[5] مریم: ۸۵

[6] الدخان: ۵۱

[7] الجاثیہ: ۱۹

[8] القمر ۵۴

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِي ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝[1]

تقویٰ اختیار کرنے والے یقیناً سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔

إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ.....[2]

اس کے متولی تو صرف تقویٰ والے ہیں۔

تقویٰ کے دنیوی اثرات

تقویٰ ایک ایسا امر ہے جس کے اثرات صرف انسان کے ضمیر اور وجدان پر مترتب نہیں ہوتے بلکہ اس کے اثرات مادی حیات اور دنیوی مفادات پر بھی مترتب ہوتے ہیں۔ جس طرح جڑی بوٹیوں کو صاف کرنے سے فصل اچھی ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح زندگی کو کثافتوں سے پاک اور صاف رکھنے کی صورت میں زندگی کی فصل بھی اچھی ہوتی ہے۔

اس موضوع پر اللہ تعالیٰ کا فرمان نہایت واضح ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝[3]

اور جو اللہ سے ڈرتا رہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکتا ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس اس کے لیے اللہ کافی ہے، اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، بتحقیق اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

اسی آیت سے مربوط حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:

فان اللہ عزوجل قد جعل للمتقین المخرج مما یکرھون

[1] المرسلات: ۴۱

[2] انفال ۳۴

[3] الطلاق: ۲۔۳

و الرزق من حیث لا یحتسبون۔[1]

اللہ نے اہل تقویٰ کے لیے ان کی ناپسند باتوں سے نکلنے کا راستہ بنایا ہے اور ایسی جگہ سے رزق کا انتظام فرمایا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں فرمایا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝[2]

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

اس آیت سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ تقویٰ اور پرہیزگاری سے انسان مشکلات میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ تقویٰ سے زندگی کے مسائل میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مال حرام نہ کھانے سے وہ زندگی کی پیچیدگیوں سے آزاد رہتا ہے جب کہ حرام کھانے والے گوناگوں مسائل سے دوچار رہتے ہیں۔ گو وہ بظاہر خوشحال نظر آتے ہیں لیکن انہیں سکون نصیب نہیں ہوتا۔

انسان کو اس بات کا علم اس لیے نہیں ہوتا کہ اس حقیقت حال کی دونوں صورتیں اس کے سامنے نہیں ہوتیں۔ چنانچہ حرام کھانے والے کے سامنے حرام نہ کھانے کی صورت سامنے نہیں ہوتی اور حرام نہ کھانے والے کے سامنے حرام کھانے کی صورت سامنے نہیں ہوتی۔ البتہ بعض لوگ فراست مؤمن سے سمجھ لیتے ہیں کہ وہ تقویٰ کی وجہ سے آسودہ حال ہیں۔ جب کہ تقویٰ نہ رکھنے والے اندر سے گوناگوں مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔

تیسری آیت میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

[1] الکافی ۵: ۳۶۹

[2] الطلاق: ۴

الْعَظِيْمِ ○[1]

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہیں (حق و باطل میں) تمیز کرنے کی طاقت عطا کرے گا اور تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقویٰ سے انسان میں بصیرت آ جاتی ہے، جس سے انسان حق و باطل، خیر وشر، مفید ومضر چیزوں میں تمیز کر سکتا ہے جس سے اس کے دینی اور دنیوی مسائل کا حل آسان ہو جاتا ہے چونکہ متقی اپنی صائب نظری سے حقائق کی تہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی ایک ایسی طاقت عنایت فرمائی ہے جس سے انسان کی حقائق تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے لیکن تقویٰ نہ ہونے کی صورت میں اس کی عقل پر حرص وہوس، مفاد پرستی اور منصب طلبی وغیرہ کا سیاہ پردہ پڑ جاتا ہے اور اس غیر متقی شخص سے حقائق اوجھل ہو جاتے ہیں۔ جب کہ تقویٰ اختیار کرنے کی صوت میں متقی کی صاف شفاف عقل اور بصیرت حقائق تک رسائی حاصل کر لیتی ہے۔ اس جگہ واقف اسرار و رموز حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

و لو ان السماوات والارضین کانتا علی عبد رتقاً ثم اتّقی اللہ لجعل اللہ لہ منھما مخرجاً[2]

اگر آسمانوں اور زمینوں کا آپس میں اتصال ہو جائے پھر برائے خدا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ان دونوں سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔

نیز آپ (ع) کا کلام منقول ہے:

فان تقوی اللہ مفتاح سداد وذخیرۃ معاد وعتق من کل ملکۃ ونجاۃ من کل ھلکۃ. بھا ینجح الطالب وینجو

[1] الانفال: ۲۹

[2] نہج البلاغۃ ص ۱۸۸ خطبہ: ۱۳۰

الھاربُ وتنال الرغائب.[1]

برائے خدا تقویٰ اختیار کرنا مضبوط چابی اور قیامت کے لیے ذخیرہ ہے اور ہر قید سے رہائی اور ہر ہلاکت سے نجات ہے، تقویٰ کے ذریعے طالب حق کو کامیابی، ہلاکت سے بھاگنے والے کو نجات مل جاتی ہے اور مرغوب چیزوں تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔

واعلموا انه مَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا من الفتن و نوراً من الظلم.[2]

معلوم ہو! جو اللہ کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ اسے فتنوں سے نکلنے کا راستہ اور تاریکیوں میں روشنی دے دیتا ہے۔

عند اللہ تقویٰ کا مقام

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ ۭ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝[3]

تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناً وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اللہ یقیناً خوب جاننے والا، باخبر ہے۔

دنیا میں تقویٰ کے علاوہ دیگر امتیازات لوگوں کے لیے قابل توجہ ہیں اور انسان کی جبلت میں دوسروں سے امتیاز حاصل کرنے کا رجحان رچا بسا ہے۔ اگر یہ امتیاز کسی حکمران کے دربار میں حاصل ہے تو اس امتیاز کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ امتیاز کسی شہنشاہی ایوان میں حاصل ہو تو یہ زیادہ قابل فخر ہوتا ہے۔

لیکن یہ امتیاز اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو اور اس امتیاز کی وجہ سے ابدی زندگی قابل رشک بن جاتی ہو تو یہ امتیاز پوری دنیا وما فیہا سے کئی درجہ مطلوب و منظور ہونا چاہیے۔ وہ ابدالآباد کا امتیاز، تقویٰ ہے۔

بہترین زادراہ

وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ ۝[4]

---

[1] نہج البلاغہ ص ۳۵۱ خطبہ ۲۳۰

[2] نہج البلاغۃ خطبہ: ۱۸۲

[3] الحجرات: ۱۳

[4] البقرہ: ۱۹۷

اور زادراہ لے لیا کرو کہ بہترین زاد راہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! (میری نافرمانی سے) پرہیز کرو۔

موت کے بعد سے برزخ کی مدت کس قدر طویل ہے معلوم نہیں۔ پھر پہلے صور سے دوسرے صور پھونکنے کی درمیانی مدت کس قدر طویل ہے وہ ہمارے حساب و شمار سے زیادہ ہے۔ پھر قیام قیامت کے بعد تمام واجبات اور حقوق کا حساب دینے کے لیے کتنے مراحل طے کرنا ہیں اور ہر مرحلہ میں کتنا وقت صرف ہوگا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ موت کے بعد سے مؤمن کے لیے جنت میں داخل ہونے کے اذن تک کس قدر زاد راہ کی ضرورت ہے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

ولو کان لرجل عمل سبعین نبیاً لاستقلّ عمله من شدة ما یری یومئذ۔[1]

اگر کسی شخص کے پاس ستر انبیاء کے برابر عمل ہو تو قیامت کے دن کی مشکلات دیکھ کر وہ اسے تھوڑا لگے گا۔

حضرت ابراہیم جیسے جلیل القدر ابو الانبیاء دعا کرتے ہیں:

وَلَا تُخۡزِنِي يَوۡمَ يُبۡعَثُونَ ۝[2]

اور مجھے اس روز رسوا نہ کرنا جب لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

ولا تفضحنی بین یدی اولیاءك۔[3]

اے اللہ! اپنے اولیاء کے درمیان مجھے رسوا نہ کرنا۔

اس طویل سفر اور مشکلات کے لیے فرمایا: بہترین زاد راہ تقویٰ یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنا اور عذاب سے ڈرنا ہے۔

تقویٰ سعادت دنیا و آخرت

اس سلسلے میں امام المتقین سید الاولیاء حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان قابل

[1] امالی شیخ طوسی ص ۵۳۳ مجلس ۱۹

[2] الشعراء: ۸۷

[3] صحیفہ سجادیہ ص ۲۲۸ دعا یوم عرفہ ۴۷

ترجمہ:

واعلموا عباد الله ان المتقين ذهبوا بعاجل الدنيا وآجل الاخرة. فشاركوا اهل الدنيا فی دنیاهم ولم يشاركوا اهل الدنيا فی آخرتهم. سكنوا فی الدنيا بأفضل ما سكنت واكلوها بأفضل ما اكلت. فحظوا من الدنيا بما حظی به المترفون واخذوا منها ما اخذه الجبابرة المتكبرون. ثم انقلبوا عنها بالزاد المبلغ والمتجر الرابح اصابوا لذة زهد الدنيا فی دنياهم وتيقنوا انهم جيران الله غداً فی آخرتهم. لا ترد لهم دعوة ولا ينقص لهم نصيب من لذة۔ [1]

اللہ کے بندو! تمہیں جاننا چاہیے، پرہیزگاروں (اہل تقویٰ) نے جانے والی دنیا اور آنے والی آخرت دونوں کے فائدے اٹھائے۔ وہ دنیا میں ان کی دنیا میں شریک رہے مگر دنیا دار ان کی آخرت میں حصہ نہ لے سکے۔ وہ دنیا میں بہترین طریقہ پر رہے اور اچھے سے اچھا کھایا۔ اس طرح وہ ان تمام چیزوں سے بہرہ یاب ہوئے جو عیش پسند لوگوں کو حاصل تھیں اور وہ سب کچھ حاصل کیا جو سرکش و متکبر لوگوں کو حاصل تھا۔ پھر وہ منزل مقصود پر پہنچانے والے زاد کا سروسامان اور نفع کا سودا کر کے دنیا سے روانہ ہوئے۔ انہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے زہد کی لذت چکھی اور یہ یقین رکھا کہ وہ کل اللہ کے پڑوس میں ہوں گے جہاں نہ ان کی کوئی خواہش ٹھکرائی جائے گی، نہ ان کے نصیب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ (ترجمہ مفتی جعفر حسین رح)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

[1] نہج البلاغۃ ص ۳۸۴ مکتوب ۲۷ ومن عهده الی محمد بن ابی بکر

ما نقل الله عبدا من ذل المعاصی الی عز التقوی الا اغناه من غیر مال واعزّہ من غیر عشیرة وآنسه من غیر بشر.[1]

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو گناہوں کی ذلت سے تقویٰ کی عزت کی طرف منتقل کر دیتا ہے تو اللہ اسے مال کے بغیر بے محتاج، قوم وقبیلہ کے بغیر عزت دار اور کسی انسان کے بغیر مانوسیت عنایت کرتا ہے۔

[1] الکافی ۲: ص۱ ۔۔ باب الطاعة والتقوی

حبّ و بغض خدا کے لیے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لکن اوثق عری الایمان الحبّ فی اللہ والبغض فی اللہ وتوالی اولیاء اللہ والتبری من اعداء اللہ۔

ولیکن ایمان کی مضبوط ترین رسی یہ ہے کہ برائے خدا محبت اور برائے خدا عداوت ہو اور اولیاء اللہ سے محبت اور اللہ کے دشمنوں سے برائت ہو۔

(الکافی ۲: ۲۶ : باب الحب فی اللہ و البغض فی اللہ)

بندگی کے لوازم میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مؤمن کے قلبی احساسات اور جذبات تابع رضائے الٰہی ہوں۔ کسی کو چاہتا ہے تو اس لیے کہ اللہ کا خاص بندہ ہے اور کسی سے نفرت ہے تو اس لیے کہ اس کا عمل اللہ کو ناپسند ہے۔ اس طرح اللہ کے خاص بندوں سے نفرت اور اللہ کے دشمنوں سے محبت بندگی کے منافی ہے۔ وہ شخص اللہ کا بندہ نہیں ہوسکتا ہے جس کا حب و بغض اللہ کے لیے نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

ولکن اوثق عری الایمان الحبّ فی الله والبغض فی الله وتوالی اولیاء الله التبری من اعداء الله۔[1]

ایمان کی مضبوط ترین رسی یہ ہے کہ برائے خدا محبت ہو اور برائے خدا عداوت ہو۔ (کسی سے محبت ہے تو برائے خدا اور کسی سے عداوت ہے تو برائے خدا) اور اولیاء اللہ سے محبت اور اللہ کے دشمنوں سے برائت ہو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث منقول ہے:

ودّ المؤمن للمؤمن فی الله من اعظم شعب الایمان الا و من احب فی الله و ابغض فی الله و اعطی فی الله ومنع فی الله فهو من اصفیاء الله۔[2]

مؤمن کی مؤمن سے برائے خدا محبت ایمان کا عظیم شعبہ ہے۔

[1] الکافی ۲: ۱۲۶ باب الحب فی اللہ

[2] الکافی ۲: ۱۲۵ باب الحب فی اللہ

سنو! جو برائے خدا محبت کرے اور برائے خدا بغض کرے،
برائے خدا عطا کرے اور برائے خدا عطا کرنے سے گریز کرے
تو وہ اللہ کے برگزیدہ لوگوں میں سے ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حبّ و بغض اور پسند و ناپسند اپنے مفادات خواہشات، جماعت بندی، فرقہ بندی، سیاسی، لسانی اور علاقائی اعتبار سے نہ ہو۔ صرف الٰہی قدروں کے مطابق ہو۔

لہٰذا اگر ایک مؤمن اللہ کے نیک اور صالح بندوں میں سے ہو لیکن وہ آپ کے مذکورہ رجحانات پر نہیں اترتا جس کی وجہ سے آپ اس سے بغض رکھتے ہیں جب کہ دوسرا ظالم شخص آپ کے مذکورہ رجحات پر پورا اترتا ہے تو آپ اس سے محبت رکھتے ہیں یہ بات ایمان کے سراسر خلاف ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ فھو ممن کمل ایمانہ۔[1]

جو اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ کے لیے بغض کرے اور اللہ کے لیے خرچ کرے تو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کا ایمان کمل ہے۔

روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: کیا حب و بغض ایمان میں سے ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

هل الایمان الا الحب والبغض ثم تلا هذه الاية: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝[2]

کیا ایمان حبّ و بغض کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی: (ترجمہ) لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو

[1] الکافی ۲: ۱۲۴ باب الحب فی اللہ

[2] (الحجرات: ۷) الکافی ۲: ۱۲۵ باب الحب فی اللہ

تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرمایا اور کفر اور فسق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک ناپسندیدہ بنا دیا، یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی ہوئی:

ان افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ۔[1]

بہترین اعمال یہ ہیں کہ برائے خدا محبت اور برائے خدا بغض رکھا جائے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

ھل الدین الا الحب.[2]

کیا دین محبت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔

یعنی دین محبت اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عبارت ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ....[3]

کہد یجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا

❀❀❀❀❀

[1] مشکاۃ الانوار فی غرر الاخبار ص ۱۲۵ فصل ۵

[2] الکافی ۸: ۱۸۰ وصیۃ النبی

[3] آل عمران: ۳۱

صفات شیعہ

حضرت علی علیہ السلام

لا تنال ولایتنا الا بالورع۔

ہماری ولایت صرف پرہیزگاری سے مل سکتی ہے۔

(تحف العقول ص ۳۰۳ وصیتہ ع لعبداللہ بن جندب)

ہمارے ائمہ علیہم السلام نے اپنے چاہنے والوں کی چند ایک نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ وہ نشانیاں موجود ہونے کی صورت میں ہمارے ائمہ ہمیں اپنے چاہنے والوں کی صف میں شامل فرمائیں گے۔ دوسری صورت میں وہ ہم سے بیزار ہوں گے۔ خدا نہ کرے یہ نوبت آجائے کہ آئمہ علیہم السلام ہم سے بیزار ہو جائیں۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور پیروی کو اللہ کی بندگی کا ذریعہ سمجھنے والوں کو آئمہ علیہم السلام اپنے چاہنے والوں کی صف میں شامل فرمائیں گے۔

ائمہ علیہم السلام ان لوگوں سے بیزار ہوں گے جو ان کی محبت کو اللہ کی بندگی کا متبادل تصور کرتے ہیں۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:

لا تنال ولایتنا الا بالورع۔ [1]

ہماری ولایت صرف پرہیزگاری سے مل سکتی ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

وما تنال ولایتنا الا بالعمل والورع [2]

ہماری ولایت صرف عمل اور پرہیزگاری سے مل سکتی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

لا تذهب بکم المذاهب فواللہ ما شیعتنا الا من اطاع

---

[1] تحف العقول ص ۳۰۳ وصیۃ ع لعبد اللہ بن جندب

[2] الکافی ۲: ۷۵ باب الطاعۃ والتقوی

اللہ عزوجل۔[1]

تم دیگر مذاہب میں مبتلا نہ ہوں، اللہ کی قسم! ہمارے شیعہ صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت عبد العظیم حسنی جن کا روضہ شہر ری طہران میں موجود ہے فرماتے ہیں: میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ (ع) نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا:

مرحبا بك يا ابا القاسم انت ولينا حقا قال: فقلت: يا ابن رسول الله انى اريد ان اعرض عليك دينى فان كان مرضيا اثبت عليه حتى القى الله عزوجل: قال: هات يا ابا القاسم فقلت: انى اقول: ان الله تبارك و تعالى واحد ليس كمثله شىء خارج من الحدين حد التعطيل وحد الابطال وحد التشبيه وانه ليس بجسم ولا صورة ولا عرض ولا جوهر بل هو مجسمه الاجسام و مصور الصور و خالق الاعراض والجواهر ورب كل شىء وما لكه وجاعله ومحدثه وانه حكيم لا يفعل القبيح ولا يخل بالواجب وان محمداً عبده ورسوله خاتم النبيين فلا نبى بعده الى يوم القيامة وان شريعته خاتمة الشرائع لا شريعة بعدها الى يوم القيامة واقول: ان الامام والخليفة و والى الامر بعده امير المؤمنين على بن ابى طالب ثم الحسن ثم الحسين ثم على بن الحسين ثم محمد بن على ثم جعفر بن محمد ثم موسى بن جعفر ثم على بن موسى ثم محمد بن على ثم انت يا مولاى فقال

[1] الکافی ۲: ۷۵ باب الطاعۃ والتقوی

علیه السلام ومن بعدی الحسن ابنی و کیف الناس بالخلف من بعده قال فقلت و کیف ذلك یا مولای قال: لانه لا یری شخصه ولا یحل ذکره باسمه حتی یخرج فیملأ الارض قسطاً و عدلا کما ملئت ظلما و جورا. قال: فقلت: اقررت. واقول: ان ولیهم ولی الله وعدوهم عدو الله وطاعتهم طاعة الله ومعصیتهم معصیة الله واقول: ان المعراج حق والمسألة فی القبر حق وان الجنة حق والنار حق والصراط حق والمیزان حق وان الساعة آتیة لاریب فیها وان الله یبعث من فی القبور واقول: ان الفرائض الواجبة بعد الولایة الصلوة والزکاة والصوم والحج والجهاد والامر بالمعروف والنهی عن المنکر وحقوق الوالدین فقلت: هذا دینی ومذهبی وعقیدتی ویقینی قد اخبرتك. فقال علی بن محمد علیهما السلام: یا اباالقاسم هذا والله دین الله الذی ارتضاه لعباده فاثبت علیه ثبتك الله بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة.[1]

اے ابوالقاسم! خوش آمدید! آپ ہمارے برحق دوستدار ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں اپنا دین آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر پسندیدہ دین ہے تو میں اس پر تاحیات قائم رہوں۔ فرمایا: پیش کریں اے ابوالقاسم!

میں نے کہا: میرا عقیدہ ہے اللہ ایک ہے اس جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ تعطیل وابطال کی حد سے خارج ہے۔ (یعنی اللہ کا کوئی

[1] صفات الشیعۃ ص ۴۸

وصف نہ ہو) اور وہ تشبیہ کی حد سے خارج ہے۔ (یعنی اللہ کی مخلوقات جیسی صفات ہوں) اور یہ کہ اللہ نہ جسم ہے۔ نہ (رنگ کی طرح) عرض ہے نہ (جسم کی طرح) جوہر ہے بلکہ وہ جسموں کا خالق اور صورتوں کی صورت گری کرنے والا ہے اور وہ اعراض وجواہر کا خالق ہے، وہ ہر شے کا رب، مالک، خالق اور ایجاد کرنے والا ہے اور اللہ حکیم ہے۔ قبیح فعل کا ارتکاب نہیں کرتا اور جو کام اللہ کے ذمے ہے اس میں خلل نہیں کرتا۔

اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول خاتم النبیین ہیں اور قیامت تک ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ان کی شریعت تمام شریعتوں کو ختم کرنے والی ہے۔ اس کے بعد قیامت تک کوئی اور شریعت نہیں آئے گی۔

میرا عقیدہ ہے رسول کے بعد امام، خلیفہ والی امر امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ہیں، پھر حسن پھر حسین علیہم السلام ہیں۔ پھر علی بن الحسین (زین العابدین) ہیں پھر محمد بن علی (الباقر) پھر جعفر بن محمد (الصادق) پھر موسیٰ بن جعفر (الکاظم) پھر علی بن موسیٰ (الرضا) پھر محمد بن علی (التقی) علیہم السلام ہیں۔ پھر آپ (علی بن محمد النقی) ہیں اے میرے مولا!

امام علی نقی علیہ السلام نے اس جگہ فرمایا: میرے بعد میرا بیٹا حسن امام ہیں: فرمایا حسن کے بعد ان کے جانشین کے بارے میں لوگوں کا حال کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا: آپ فرمائیں کیا حال ہوگا؟ فرمایا: ان کے جانشین ایسے ہوں گے جن کی شخصیت نظر نہیں آئے گی اور جب تک ظہور نہ کریں ان کا نام نہیں لیا جاسکے گا۔ پھر وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، جس طرح وہ ظلم وجور سے پر ہوگئی ہوگی میں نے عرض کیا: میں اس

کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ میں نے کہا: میرا عقیدہ ہے کہ ان کا دوست اللہ کا دوست اور ان کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ معراج برحق ہے۔ قبر میں سوال حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، صراط حق ہے، میزان عمل حق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اللہ لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔

میرا عقیدہ ہے ولایت کے بعد فرائض، نماز، زکوۃ روزہ، حج اور امر بالمعروف نہی از منکر اور والدین کے حقوق ہیں۔ پھر میں نے کہا: یہ میرا دین ہے، میرا مذہب، میرا عقیدہ ہے اور میرا یقین ہے جو آپ کو بتایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوالقاسم! یہی اللہ کا وہ دین ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے۔ آپ اسی دین پر ثابت قدم رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسی قول ثابت پر ثابت قدم رکھے دنیا و آخرت میں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے جابر سے فرمایا:

یکتفی من انتحل التشیع ان یقول بحبنا اھل البیت. فواللہ ما شیعتنا الا من اتقی اللہ واطاعہ وما کانوا یعرفون یا جابر الا بالتواضع والتخشع والامانۃ و کثرۃ ذکر اللہ والصوم والصلاۃ والبر بالوالدین و التعاھد للجیران من الفقراء واھل المسکنۃ والغارمین والایتام وصدق الحدیث وتلاوۃ القران و کف الالسن

عن الناس الا من خير.[1]

اے جابر! کیا یہ بات کافی ہے کہ مذہب تشیع اختیار کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ میں اہل بیت سے محبت رکھتا ہوں؟ اللہ کی قسم! ہمارے شیعہ صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

اے جابر! ہمارے شیعہ تو تواضع، خشوع، امانت، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے، روزہ، نماز بجالانے، والدین کے ساتھ نیکی کرنے، فقیر، نادار ہمسایوں، یتیموں اور مقروضوں کا خیال رکھنے والے ہوتے ہیں، گفتار میں راست گوئی، تلاوت قرآن، لوگوں کے بارے میں اپنی زبان گرفت میں رکھنے سے پہچانے جاتے ہیں۔

صفات مؤمن

بزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

المؤمن مرآة لاخيه المؤمن ينصحه اذا غاب عنه ويميط عنه ما يكره اذا شهد ويوسع له في المجالس.[2]

مؤمن اپنے برادر مؤمن کا آئینہ ہے۔ جب وہ غائب ہوتا ہے تو وہ اس کا خیرخواہ ہوتا ہے اور جب وہ حاضر ہوتا ہے تو اس سے ناپسندیدہ چیزوں کو دور کر دیتا ہے اور بیٹھنے کے لیے جگہ فراہم کرتا ہے۔

ان ابغض الناس الى الله تعالى من يقتدى بسيئة المؤمن ولا يقتدى بحسنته.[3]

اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین شخص وہ ہے جو مؤمن کی برائی کی پیروی کرتا ہے اور اس کی نیکی کی پیروی نہیں کرتا۔

---

[1] الکافی ۲: ۷۴ باب الطاعة والتقوی

[2] الجعفریات ص ۱۹۷ باب فی ذکر البنات

[3] الجعفریات باب فی ذکر البنات

حبّ اهل بیتی نافع فی سبعة مواطن اهوالهن عظیمة عند الوفاة وفی القبر وعند النشور وعند الکتاب وعند الحساب وعند المیزان وعند الصراط.[1]

میرے اہل بیت کی محبت سات ایسے مقامات پر فائدہ دے گی جن کی ہولناکی عظیم ہوگی۔ موت کے وقت، قبر میں، قبر سے اٹھنے کے وقت، نامۂ اعمال پیش ہونے کے وقت، حساب کے وقت، میزان اعمال کے وقت اور صراط کے موقع پر۔

لا یزول قدم عبد یوم القیامة حتی یسأل عن اربعة اشیاء عن شبابه فیما ابلاه ومن عمره فیما افناه وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفقه وعن حبنا اهل البیت.[2]

قیامت کے دن بندے کا کوئی قدم نہیں اٹھے گا جب تک چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو۔ اس کی جوانی کے بارے میں کہ کس چیز میں گزاری۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں فنا کی اور اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں۔

روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے مؤمن کی بیس خصلتوں کا ذکر فرمایا:

عشرون خصلة فی المؤمن فان لم تکن فیه لم یکمل ایمانه ان من اخلاق المؤمنین یا علی!

مؤمن میں بیس خصلتیں ہیں اگر اس میں یہ نہ ہوں تو اس کا ایمان مکمل نہ ہوگا یا علی! مؤمن کے اخلاق یہ ہیں:

---

[1] فضائل الشیعة ص ۶ ح ۲

[2] فضائل الشیعة ص ۸ ح ۲

۱۔ الحاضرون فی الصلوۃ	وہ نماز کے لیے حاضر ہونے والے ہیں
۲۔ والمسارعون الی الزکوۃ	زکوۃ کے لیے سرعت کرنے والے ہیں
۳۔ والمطعمون المسکین	مسکینوں کو کھلانے والے ہیں
۴۔ الماسحون رأس الیتیم	یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے والے ہیں
۵۔ المطهرون اطمارهم	اپنے ناخنوں کو صاف رکھنے والے ہیں
۶۔ المتزرون علی اوساطهم	کمر میں (گرسنگی کی وجہ سے) کمر بند باندھنے والے ہوتے ہیں
۷۔ الذین ان حدثوا لم یکذبوا	وہ جب بولتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے
۸۔ واذا وعدوا لم یُخلِفوا	جب وہ وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی نہیں کرتے
۹۔ واذا ائتمنوا لم یخونوا	اگر ان کو امین بنایا جائے تو وہ خیانت نہیں کرتے
۱۰واذا تکلموا صدقوا	جب بات کرتے ہیں تو سچی بات کرتے ہیں
۱۱۔ رهبان باللیل	وہ رات کے عابد ہوتے ہیں
۱۲۔ اسد بالنهار	اور دن کے شیر ہوتے ہیں
۱۳۔ صائمون النهار	روزہ رکھتے ہیں
۱۴۔ قائمون اللیل	رات کو (عبادت کے لیے) کھڑے رہتے ہیں
۱۵۔ لا یؤذون جاراً	ہمسایہ کو اذیت نہیں دیتے
۱۶۔ ولا یتأذی بهم جار	ہمسایوں سے ان کو اذیت بھی نہیں ہوتی
۱۷۔ الذین مشیهم علی الارض هون	زمین پر چلتے ہیں تو آرام سے چلتے ہیں

۱۸. وخطاهم الی بیوت الارامل	ان کے قدم اٹھتے ہیں تو بیواؤں کے گھروں کی طرف
۱۹. وعلی اثر الجنائز	اور جنازوں کے پیچھے
۲۰. جعلنا الله وایاکم من المتقین.	اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو تقویٰ والوں میں قرار دے

(الکافی ۲: ۲۳۲ باب المؤمن وعلامته)

مؤمن کی حاجت روائی کا ثواب

اللہ تعالیٰ کے نزدیک احترام آدمیت خاص کر مؤمن کا مقام نہایت قابل توجہ ہے:

۱۔ مؤمن کی اہانت گناہ کبیرہ ہے۔
۲۔ مؤمن کا احترام خانہ کعبہ کے احترام سے زیادہ ہے۔
۳۔ مؤمن کی حاجت روائی کا ثواب بہت زیادہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

قضاء حاجة المؤمن خير من حملان الف فرس فی سبيل الله عزوجل وعتق الف نسمة وقال: ما من مؤمن يمشی لاخيه فی حاجة الا كتب الله له بكل خطوة حسنة وحط بها عنه سيئة و رفع له بها درجة، و ما من مؤمن يفرج عن اخيه المؤمن كربة الا فرج الله عنه كربة من كرب الآخرة و ما من مؤمن يعين مظلوماً الا كان ذلك افضل من صيام شهر و اعتكافه فی المسجد الحرام۔[1]

مؤمن کی حاجت روائی کرنا راہ خدا میں ایک ہزار گھوڑوں کا بار دینے اور ایک ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

---

[1] کتاب المؤمن ص ۴۷ باب ۵ وصیت ۱۱۱

فرمایا: کوئی مؤمن اپنے مؤمن بھائی کی حاجت روائی کے لیے چلتا ہے تو اسے ہر قدم پر ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک گناہ معاف ہو جائے گا اور ایک درجہ بلند کیا جائے گا۔

کوئی مؤمن اپنے مؤمن بھائی سے کوئی دکھ درد دور کر دیتا ہے تو اللہ اس کے آخرت کے کئی دکھ درد دور کرے گا۔

کوئی مؤمن کسی مظلوم کی مدد کرتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک ماہ روزہ رکھنے اور مسجد الحرام میں اعتکاف بیٹھنے سے بہتر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

من طاف بهذا البيت اسبوعا كتب الله عزوجل له ستة آلاف حسنة ومحا عنه ستة آلاف سيئة و رفع له ستة آلاف درجة و فى رواية ابن عمار: وقضى له ستة آلاف حاجة وقال ابو عبدالله ع لقضاء حاجة المؤمن خير من طواف وطواف حتى عدّ عشر مرات.[1]

کوئی شخص خانہ خدا کا سات بار طواف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے چھ ہزار نیکیاں لکھے گا اور اس کے چھ ہزار گناہ مٹا دے گا اور چھ ہزار درجات بلند کرے گا۔ ابن عمار کی روایت کے مطابق اس کی چھ ہزار حاجتیں پوری کر دے گا۔

امام (ع) نے فرمایا: مؤمن کی حاجت روائی کرنا بہتر ہے طواف سے، طواف سے...، آپ نے دس مرتبہ طواف کا لفظ تکرار فرمایا۔

نیز آپ علیہ السلام سے روایت ہے:

من ادخل على مؤمن سروراً خلق الله عزوجل، من ذلك السرور خلقاً فيلقاه عند موته فيقول له: أبشر يا ولي الله

---

[1] المؤمن ص ۳۹ باب ۵ باب قضاء حاجت المؤمن

بکرامة من الله ورضوان منه ثم لا یزال معه حتی یدخل قبره فیقول له مثل ذلک فاذا بعث تلقاه فیقول له مثل ذلک. فلا یزال معه فی کل هول یبشره ویقول له مثل ذلک. فیقول له: من انت رحمک الله فیقول: انا السرور الذی ادخلت علی فلان.[1]

اگر کسی نے مؤمن کے دل میں خوشی داخل کی تو اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک مخلوق خلق کرے گا جو اس کی موت کے وقت اس سے ملے گی اور اس سے کہے گی: اے اللہ کے ولی، اللہ کی طرف سے تکریم اور رضایت کی بشارت ہو، پھر وہ اس کے ساتھ قبر میں داخل ہوگی اور یہاں بھی وہی بات کرے گی، جب قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس سے آملے گی اور وہی بات کرے گی۔ پھر ہر ہولناک موقع پر اس کے ساتھ بشارت دیتی رہے گی۔ مؤمن اس سے پوچھے گا اللہ تم پر رحمت کرے، تم کون ہو؟ وہ کہے گی: میں وہ خوشی ہوں جسے تم نے دنیا میں فلاں مؤمن کے دل میں ڈالا تھا۔

[1] المؤمن ص ۵۱ باب ۵ ح ۱۳۶

سجدہ

امام جعفر صادق علیہ السلام

السجود منتهى العبادة من بنی آدم۔

سجدہ بنی آدم کی انتہائی عبادت ہے

(الدعوات للراوندی ص ۳۳ فصل دوم ح ۷۰)

صفات شیعہ

حضرت علی علیہ السلام

لا تنال ولایتنا الا بالورع۔

ہماری ولایت صرف پرہیزگاری سے مل سکتی ہے۔

(تحف العقول ص ۳۰۲ وصیتہ ع لعبداللہ بن جندب)

ہمارے ائمہ علیہم السلام نے اپنے چاہنے والوں کی چند ایک نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ وہ نشانیاں موجود ہونے کی صورت میں ہمارے ائمہ ہمیں اپنے چاہنے والوں کی صف میں شامل فرمائیں گے۔ دوسری صورت میں وہ ہم سے بیزار ہوں گے۔ خدا نہ کرے یہ نوبت آ جائے کہ آئمہ علیہم السلام ہم سے بیزار ہو جائیں۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور پیروی کو اللہ کی بندگی کا ذریعہ سمجھنے والوں کو آئمہ علیہم السلام اپنے چاہنے والوں کی صف میں شامل فرمائیں گے۔

ائمہ علیہم السلام ان لوگوں سے بیزار ہوں گے جو ان کی محبت کو اللہ کی بندگی کا متبادل تصور کرتے ہیں۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے روایت ہے:

لا تنال ولایتنا الا بالورع۔[1]

ہماری ولایت صرف پرہیزگاری سے مل سکتی ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

وما تنال ولایتنا الا بالعمل والورع[2]

ہماری ولایت صرف عمل اور پرہیزگاری سے مل سکتی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

لا تذھب بکم المذاھب فواللہ ما شیعتنا الا من اطاع

---

[1] تحف العقول ص ۳۰۳ وصیتہ ع لعبد اللہ بن جندب

[2] الکافی ۲: ۷۵ باب الطاعۃ والتقوی

اللہ عزوجل۔[1]

تم دیگر مذاہب میں مبتلا نہ ہوں، اللہ کی قسم! ہمارے شیعہ صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت عبد العظیم حسنی جن کا روضہ شہر ری طہران میں موجود ہے فرماتے ہیں: میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ (ع) نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا:

مرحبا بك يا ابا القاسم انت ولينا حقا قال: فقلت: يا ابن رسول الله انى اريد ان اعرض عليك ديني فان كان مرضيا اثبت عليه حتى القى الله عزوجل: قال: هات يا ابا القاسم فقلت: انى اقول: ان الله تبارك و تعالى واحد ليس كمثله شيء، خارج من الحدين حد التعطيل وحد الابطال وحد التشبيه وانه ليس بجسم ولا صورة ولا عرض ولا جوهر بل هو مجسمه الاجسام و مصور الصور و خالق الاعراض والجواهر ورب كل شيء، وما لكه وجاعله ومحدثه وانه حكيم لا يفعل القبيح ولا يخل بالواجب وان محمداً عبده ورسوله خاتم النبيين فلا نبي بعده الى يوم القيامة وان شريعته خاتمة الشرائع لا شريعة بعدها الى يوم القيامة واقول: ان الامام والخليفة و والى الامر بعده امير المؤمنين على بن ابى طالب ثم الحسن ثم الحسين ثم على بن الحسين ثم محمد بن على ثم جعفر بن محمد ثم موسى بن جعفر ثم على بن موسى ثم محمد بن على ثم انت يا مولای فقال

---

[1] الکافی ۲: ۷۵ باب الطاعۃ و التقوی

عليه السلام ومن بعدى الحسن ابنى و كيف الناس
بالخلف من بعده قال فقلت و كيف ذلك يا مولاى قال:
لانه لا يرى شخصه ولا يحل ذكره باسمه حتى يخرج فيملأ
الارض قسطاً و عدلا كما ملئت ظلما و جورا. قال:
فقلت: اقررت، واقول: ان وليهم ولى الله وعدوهم عدو
الله وطاعتهم طاعة الله ومعصيتهم معصية الله واقول:
ان المعراج حق والمسألة فى القبر حق وان الجنة حق
والنار حق والصراط حق والميزان حق وان الساعة آتية
لاريب فيها وان الله يبعث من فى القبور واقول: ان
الفرائض الواجبة بعد الولاية الصلوة والزكاة والصوم
والحج والجهاد والامر بالمعروف والنهى عن المنكر
وحقوق الوالدين فقلت: هذا دينى ومذهبى وعقيدتى
ويقينى قد اخبرتك. فقال على بن محمد عليهما السلام:
يا اباالقاسم هذا والله دين الله الذى ارتضاه لعباده
فاثبت عليه ثبتك الله بالقول الثابت فى الحياة الدنيا و
فى الآخرة.[1]

اے ابوالقاسم! خوش آمدید! آپ ہمارے برحق دوستدار ہیں۔
میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں اپنا دین آپ کی خدمت
میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر پسندیدہ دین ہے تو میں اس پر
تاحیات قائم رہوں۔ فرمایا: پیش کریں اے ابوالقاسم!
میں نے کہا: میرا عقیدہ ہے اللہ ایک ہے اس جیسا کوئی نہیں ہے
اور وہ تعطیل وابطال کی حد سے خارج ہے۔ (یعنی اللہ کا کوئی

---

[1] صفات الشیعۃ ص ۴۸

وصف نہ ہو) اور وہ تشبیہ کی حد سے خارج ہے۔ (یعنی اللہ کی مخلوقات جیسی صفات ہوں) اور یہ کہ اللہ نہ جسم ہے۔ نہ (رنگ کی طرح) عرض ہے نہ (جسم کی طرح) جوہر ہے بلکہ وہ جسموں کا خالق اور صورتوں کی صورت گری کرنے والا ہے اور وہ اعراض وجواہر کا خالق ہے، وہ ہر شے کا رب، مالک، خالق اور ایجاد کرنے والا ہے اور اللہ حکیم ہے۔ قبیح فعل کا ارتکاب نہیں کرتا اور جو کام اللہ کے ذمے ہے اس میں خلل نہیں کرتا۔

اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول خاتم النبیین ہیں اور قیامت تک ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ان کی شریعت تمام شریعتوں کو ختم کرنے والی ہے۔ اس کے بعد قیامت تک کوئی اور شریعت نہیں آئے گی۔

میرا عقیدہ ہے رسول کے بعد امام، خلیفہ والی امر امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ہیں، پھر حسن پھر حسین علیہم السلام ہیں۔ پھر علی بن الحسین (زین العابدین) ہیں پھر محمد بن علی (الباقر) پھر جعفر بن محمد (الصادق) پھر موسیٰ بن جعفر (الکاظم) پھر علی بن موسیٰ (الرضا) پھر محمد بن علی (التقی) علیہم السلام ہیں۔ پھر آپ (علی بن محمد النقی) ہیں اے میرے مولا!

امام علی نقی علیہ السلام نے اس جگہ فرمایا: میرے بعد میرا بیٹا حسن امام ہیں: فرمایا حسن کے بعد ان کے جانشین کے بارے میں لوگوں کا حال کیا ہو گا؟ میں نے عرض کیا: آپ فرمائیں کیا حال ہو گا؟ فرمایا: ان کے جانشین ایسے ہوں گے جن کی شخصیت نظر نہیں آئے گی اور جب تک ظہور نہ کریں ان کا نام نہیں لیا جا سکے گا۔ پھر وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، جس طرح وہ ظلم وجور سے پر ہو گئی ہو گی۔ میں نے عرض کیا: میں اس

کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ میں نے کہا: میرا عقیدہ ہے کہ ان کا دوست اللہ کا دوست اور ان کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ معراج برحق ہے۔ قبر میں سوال حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، صراط حق ہے، میزان عمل حق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اللہ لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔

میرا عقیدہ ہے ولایت کے بعد فرائض، نماز، زکوۃ روزہ، حج اور امر بالمعروف نہی از منکر اور والدین کے حقوق ہیں۔ پھر میں نے کہا: یہ میرا دین ہے، میرا مذہب، میرا عقیدہ ہے اور میرا یقین ہے جو آپ کو بتایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوالقاسم! یہی اللہ کا وہ دین ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے۔ آپ اسی دین پر ثابت قدم رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسی قول ثابت پر ثابت قدم رکھے دنیا و آخرت میں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے جابر سے فرمایا:

ا یکتفی من انتحل التشیع ان یقول بحبّنا اهل البیت، فوالله ما شیعتنا الا من اتقی الله واطاعه وما کانوا یعرفون یا جابر الا بالتواضع والتخشّع والامانة و کثرة ذکر الله والصوم والصلاة والبر بالوالدین و التعاهد للجیران من الفقراء واهل المسکنة والغارمین والایتام وصدق الحدیث وتلاوة القران و کف الالسن

عن الناس الا بخیر۔[1]

اے جابر! کیا یہ بات کافی ہے کہ مذہب تشیع اختیار کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ میں اہل بیت سے محبت رکھتا ہوں؟ اللہ کی قسم! ہمارے شیعہ صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

اے جابر! ہمارے شیعہ تو تواضع، خشوع، امانت، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے، روزہ، نماز بجالانے، والدین کے ساتھ نیکی کرنے، فقیر، نادار ہمسایوں، یتیموں اور مقروضوں کا خیال رکھنے والے ہوتے ہیں، گفتار میں راست گوئی، تلاوت قرآن، لوگوں کے بارے میں اپنی زبان گرفت میں رکھنے سے پہچانے جاتے ہیں۔

صفات مؤمن

بزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

المؤمن مرآة لاخیه المؤمن ینصحه اذا غاب عنه ویمیط عنه ما یکره اذا شهد ویوسع له فی المجالس۔[2]

مؤمن اپنے برادر مؤمن کا آئینہ ہے۔ جب وہ غائب ہوتا ہے تو وہ اس کا خیر خواہ ہوتا ہے اور جب وہ حاضر ہوتا ہے تو اس سے ناپسندیدہ چیزوں کو دور کر دیتا ہے اور بیٹھنے کے لیے جگہ فراہم کرتا ہے۔

ان ابغض الناس الی الله تعالیٰ من یقتدی بسیئة المؤمن ولا یقتدی بحسنته۔[3]

اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین شخص وہ ہے جو مؤمن کی برائی کی پیروی کرتا ہے اور اس کی نیکی کی پیروی نہیں کرتا۔

---

[1] الکافی ۲: ۷۴۔ باب الطاعة والتقوی

[2] الجعفریات ص ۱۹۷ باب فی ذکر البنات

[3] الجعفریات باب فی ذکر البنات

حبّ اهل بیتی نافع فی سبعة مواطن اهوالهن عظیمة عند الوفاة وفی القبر وعند النشور وعند الکتاب وعند الحساب وعند المیزان وعند الصراط۔[1]

میرے اہل بیت کی محبت سات ایسے مقامات پر فائدہ دے گی جن کی ہولناکی عظیم ہوگی۔ موت کے وقت، قبر میں، قبر سے اٹھنے کے وقت، نامۂ اعمال پیش ہونے کے وقت، حساب کے وقت، میزان اعمال کے وقت اور صراط کے موقع پر۔

لا یزول قدم عبد یوم القیامة حتی یسأل عن اربعة اشیاء عن شبابه فیما ابلاه ومن عمره فیما افناه وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفقه وعن حبنا اهل البیت۔[2]

قیامت کے دن بندے کا کوئی قدم نہیں اٹھے گا جب تک چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو۔ اس کی جوانی کے بارے میں کہ کس چیز میں گزاری۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں فنا کی اور اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہم اہل بیت کی محبت کے بارے میں۔

روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے مؤمن کی بیس خصلتوں کا ذکر فرمایا:

عشرون خصلة فی المؤمن فان لم تکن فیه لم یکمل ایمانه ان من اخلاق المؤمنین یا علی!

مؤمن میں بیس خصلتیں ہیں اگر اس میں یہ نہ ہوں تو اس کا ایمان مکمل نہ ہوگا یا علی! مؤمن کے اخلاق یہ ہیں:

[1] فضائل الشیعة ص ۶ ح ۳

[2] فضائل الشیعة ص ۸ ح ۶

۱۔ الحاضرون فی الصلوۃ	وہ نماز کے لیے حاضر ہونے والے ہیں
۲۔ والمسارعون الی الزکوۃ	زکوۃ کے لیے سرعت کرنے والے ہیں
۳۔ والمطعمون المسکین	مسکینوں کو کھلانے والے ہیں
۴۔ الماسحون رأس الیتیم	یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے والے ہیں
۵۔ المطهرون اظفارهم	اپنے ناخنوں کو صاف رکھنے والے ہیں
۶۔ المتزرون علی اوساطهم	کمر میں (گرسنگی کی وجہ سے) کمر بند باندھنے والے ہوتے ہیں
۷۔ الذین ان حدثوا لم یکذبوا	وہ جب بولتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے
۸۔ واذا وعدوا لم یخلفوا	جب وہ وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی نہیں کرتے
۹۔ واذا ائتمنوا لم یخونوا	اگر ان کو امین بنایا جائے تو وہ خیانت نہیں کرتے
۱۰۔ واذا تکلموا صدقوا	جب بات کرتے ہیں تو سچی بات کرتے ہیں
۱۱۔ رهبان باللیل	وہ رات کے عابد ہوتے ہیں
۱۲۔ اسد بالنهار	اور دن کے شیر ہوتے ہیں
۱۳۔ صائمون النهار	روزہ رکھتے ہیں
۱۴۔ قائمون اللیل	رات کو (عبادت کے لیے) کھڑے رہتے ہیں
۱۵۔ لا یؤذون جاراً	ہمسایہ کو اذیت نہیں دیتے
۱۶۔ ولا یتأذی بهم جار	ہمسایوں سے ان کو اذیت بھی نہیں ہوتی
۱۷۔ الذین مشیهم علی الارض هون	زمین پر چلتے ہیں تو آرام سے چلتے ہیں

۱۸۔ وخطاهم الی بیوت الارامل	ان کے قدم اٹھتے ہیں تو بیواؤں کے گھروں کی طرف
۱۹۔ وعلی اثر الجنائز	اور جنازوں کے پیچھے
۲۰۔ جعلنا الله وایاکم من المتقین۔	اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو تقویٰ والوں میں قرار دے

(الکافی ۲: ۲۳۲ باب المؤمن وعلامتہ)

مومن کی حاجت روائی کا ثواب

اللہ تعالیٰ کے نزدیک احترام آدمیت خاص کر مومن کا مقام نہایت قابل توجہ ہے:

۱۔ مومن کی اہانت گناہ کبیرہ ہے۔

۲۔ مومن کا احترام خانہ کعبہ کے احترام سے زیادہ ہے۔

۳۔ مومن کی حاجت روائی کا ثواب بہت زیادہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

قضاء حاجة المؤمن خیر من حملان الف فرس فی سبیل الله عزوجل وعتق الف نسمة وقال: ما من مؤمن یمشی لاخیه فی حاجة الا کتب الله له بکل خطوة حسنة وحط بها عنه سیئة و رفع له بها درجة. و ما من مؤمن یفرج عن اخیه المؤمن کربة الا فرج الله عنه کربة من کرب الآخرة و ما من مؤمن یعین مظلوماً الا کان ذلك افضل من صیام شهر و اعتکافه فی المسجد الحرام۔[1]

مومن کی حاجت روائی کرنا راہ خدا میں ایک ہزار گھوڑوں کا بار دینے اور ایک ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

---

[1] کتاب المؤمن ص ۳۷ باب ۵ وحیث ۱۱۱

فرمایا: کوئی مؤمن اپنے مؤمن بھائی کی حاجت روائی کے لیے چلتا ہے تو اسے ہر قدم پر ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک گناہ معاف ہو جائے گا اور ایک درجہ بلند کیا جائے گا۔
کوئی مؤمن اپنے مؤمن بھائی سے کوئی دکھ درد دور کر دیتا ہے تو اللہ اس کے آخرت کے کئی دکھ درد دور کرے گا۔
کوئی مؤمن کسی مظلوم کی مدد کرتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک ماہ روزہ رکھنے اور مسجد الحرام میں اعتکاف بیٹھنے سے بہتر ہے۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:
من طاف بهذا البيت اسبوعا كتب الله عزوجل له ستة آلاف حسنة ومحا عنه ستة آلاف سيئة و رفع له ستة آلاف درجة و في رواية ابن عمار: وقضى له ستة آلاف حاجة و قال ابو عبدالله ع لقضاء حاجة المؤمن خير من طواف وطواف حتى عدّ عشر مرات.[1]
کوئی شخص خانۂ خدا کا سات بار طواف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے چھ ہزار نیکیاں لکھے گا اور اس کے چھ ہزار گناہ مٹا دے گا اور چھ ہزار درجات بلند کرے گا۔ ابن عمار کی روایت کے مطابق اس کی چھ ہزار حاجتیں پوری کر دے گا۔
امام (ع) نے فرمایا: مؤمن کی حاجت روائی کرنا بہتر ہے طواف سے، طواف سے...، آپ نے دس مرتب طواف کا لفظ تکرار فرمایا۔
نیز آپ علیہ السلام سے روایت ہے:
من ادخل علي مؤمن سرورا خلق الله عزوجل، من ذلك السرور خلقا فيلقاه عند موته فيقول له: أبشر يا ولي الله

[1] المؤمن ص ۳۹ باب ۵ باب قضاء حاجت المؤمن

بکرامة من الله ورضوان منه ثم لا یزال معه حتی یدخل قبره فیقول له مثل ذلك فاذا بعث تلقاه فیقول له مثل ذلك. فلا یزال معه فی کل هول یبشره ویقول له مثل ذلك. فیقول له: من انت رحمك الله فیقول: انا السرور الذی ادخلت علی فلان۔[1]

اگر کسی نے مؤمن کے دل میں خوشی داخل کی تو اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک مخلوق خلق کرے گا جو اس کی موت کے وقت اس سے ملے گی اور اس سے کہے گی: اے اللہ کے ولی، اللہ کی طرف سے تکریم اور رضایت کی بشارت ہو، پھر وہ اس کے ساتھ قبر میں داخل ہو گی اور یہاں بھی وہی بات کرے گی، جب قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس سے آملے گی اور وہی بات کرے گی۔ پھر ہر ہولناک موقع پر اس کے ساتھ بشارت دیتی رہے گی۔ مؤمن اس سے پوچھے گا اللہ تم پر رحمت کرے، تم کون ہو؟ وہ کہے گی: میں وہ خوشی ہوں جسے تم نے دنیا میں فلاں مؤمن کے دل میں ڈالا تھا۔

[1] المؤمن ص ۵۱ باب ۵ ح ۱۳۶

سجدہ

امام جعفر صادق علیہ السلام

السجود منتهى العبادة من بنى آدم۔

سجدہ بنی آدم کی انتہائی عبادت ہے

(الدعوات للراوندی ص ۳۳ فصل دوم ح ۷۰)

اے ہشام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل وفہم والوں کو اپنی کتاب میں خوش خبری دی ہے: پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے۔ جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔

یعنی صاحبان عقل کو ہر قسم کی بات سننے میں کوئی خوف نہیں ہے: يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ یہ بات سب کی سن لیتے ہیں۔ عاقل پر کسی کی بات سننے پر پابندی نہیں ہے چونکہ عاقل ان باتوں میں سے احسن اور غیر احسن میں تمیز کر سکتے ہیں اور احسن کی پیروی کرتے ہیں جب کہ غیر عاقل ہر ہانکنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

عقل اور خواہشات کی جنگ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ انسان یکطرفہ مخلوق نہیں ہے۔ انسان میں مثبت اور منفی طاقتیں دونوں موجود ہوتی ہیں۔ وہ دو طاقتیں عقل اور خواہشات ہیں۔ اس سلسلے میں ہم آپ کے لیے درج ذیل احادیث پیش کرتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

قاتل هواك بعقلك تملك رشدك.[1]

اپنی خواہشات کو عقل کے ذریعے نابود کر دو۔ کامیابی حاصل کرو گے۔

العاقل (الكامل) من قمع هواه بعقله.[2]

عاقل وہ ہے جو عقل کے ذریعہ اپنی خواہشات کا قلع قمع کرے۔

من غلب عقلُه هواه افلح.[3]

جس کی عقل اس کی خواہشات پر غالب آجائے وہ کامیاب ہے۔

---

[1] غرر الحکم کلمۃ ۸۱۸ ص-۶۳

[2] غرر الحکم ص ۵۳ ح ۳۵۳

[3] غرر الحکم ص ۱۶۷ ح ۳۲۸۵

راس العقل مجاهدة الهوی۔[1]

دین کا مغز خواہشات سے جہاد کرنا ہے

راس الدین مخالفة الهوی۔[2]

دین کا مغز خواہشات کی مخالفت ہے

لا یجتمع العقل والهوی۔[3]

خواہشات اور عقل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

اشجع الناس من غلب هواه۔[4]

لوگوں میں سب سے باشجاعت شخص وہ ہے جو اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے۔

عقل اور نفس

انسان کی تمام خواہشات، نفس میں ہوتی ہیں۔ نفس اور خواہشات الگ الگ نہیں ہیں۔ احادیث میں جہاں عقل اور خواہشات میں مقابلے کا ذکر آتا ہے وہاں خواہشات کی جگہ نفس کا ذکر آتا ہے۔ چونکہ تمام خواہشات اور غرائز نفس میں ہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝[5]

اور جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے۔ اس کا ٹھکانا یقیناً جنت ہے۔

حدیث نبوی (ص) ہے:

---

[1] غرر الحکم ص ۲۳۲ ح ۴۹۲۵

[2] غرر الحکم ص ۲۳۱ ح ۴۸۷۵

[3] غرر الحکم ص ۶۳ ح ۸۲۳

[4] الفقیہ ۴: ۳۹۵

[5] نازعات: ۴۰۔۴۱

اعدی عدوك نفسك التي بين جنبيك.[1]

تیرا سب سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

اعجز الناس من عجز عن اصلاح نفسه.[2]

سب سے زیادہ عاجز وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی اصلاح سے عاجز ہے۔

عقل اور خواہشات میں مکالمہ

عقل سے کام لینے کی ایک مثال

ایک شخص دین اسلام پر ایمان رکھتا ہے اور ہادیان برحق کو مانتا ہے کہ یہ ہستیاں میرے نبی، میرے امام اور میری راہنما ہیں۔ عقل کہتی ہے اگر آپ کے امام و راہنما ہیں تو ان سے راہنمائی حاصل کرو۔ یہ دیکھو وہ آپ کی کیا راہنمائی کرتے ہیں۔ آپ سے کیا چاہتے ہیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی راہنمائی کیا ہے۔ عقل کے تقاضے پر عمل کیا جائے تو آپ کے لیے نجات ہے۔ جب کہ خواہشات کا یہ کہنا ہے: ان سب پابندیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آسان طریقہ اختیار کرنا بہتر ہے یہ کہ انہیں صرف امام مان لینا کافی ہے، پیروی ضروری نہیں ہے۔ خواہشات بڑے شد و مد سے عمل کی ضرورت مسترد کر دیتی ہیں۔ وہ نجات کا راستہ دکھانے والے ہیں مگر اس راستہ پر چلنا ضروری نہیں ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام سے عشق و محبت ہے کہ آپ (ع) نے دین اسلام بچایا

---

[1] مجموعہ ورام ۱: ۵۹ باب العتاب

[2] غرر الحکم ص ۲۳۶ ح ۴۷۶۱

ہے۔ آگے عقل کہتی ہے: اسی عشق و محبت سے اس دین پر عمل کرنا چاہیے جو سید الشہداء علیہ السلام نے بچایا ہے۔ خواہشات عقل کے مقابلے میں کمر بستہ ہو کر کہتی ہیں: تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جس دین کو بچایا وہ کیا ہے؟ بس یہ مان لینا کافی ہے کہ آپ علیہ السلام نے دین بچایا ہے۔ آگے امام حسین علیہ السلام کے بچائے ہوئے دین سے ہمیں کوئی کام نہیں ہے۔ مثلاً نماز کو امام علیہ السلام نے بچایا ہے۔ ہمیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نماز بھی وہی پڑھ گئے ہیں۔ عقل پوچھتی ہے کہ تم نے جب نماز پڑھنی نہیں ہے تو نماز بچانے کا تمہیں کیا فائدہ ہوا؟ فائدہ ان لوگوں کو ہوا جو امام حسین علیہ السلام کی بچائی ہوئی نماز پڑھتے ہیں۔ عقل کہتی ہے: اگر امام حسین علیہ السلام نے نماز کو نہ بچایا ہوتا تو ہم نماز نہ پڑھ پاتے، نجات نہ ملتی۔ امام حسین علیہ السلام نے ہمیں ہلاکت سے بچایا۔ نفس پرست کہتا ہے: آئمہ (ع) ہمارے ہادی ضرور ہیں لیکن ان کی ہدایت پر چلنا ضروری نہیں ہے۔ وہ ہدایت دینے والے ہیں لیکن ہدایت لینا ضروری نہیں ہے۔ وہ ہمیں حق کی طرف لے جانے والے ضرور ہیں لیکن جہاں وہ لے جانا چاہتے ہیں وہاں جانا ضروری نہیں ہے۔ وہ ہمیں نجات کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن اس دعوت پر لبیک کہنا ضروری نہیں ہے۔ ہمارے امام حق پر ہیں لیکن اس حق کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہمیں ہلاکت سے بچانا چاہتے ہیں لیکن ہلاکت سے بچنا ضروری نہیں۔

واضح رہے یہ ساری باتیں خواہش پرست کے حلق سے نہیں نکلتیں۔ یعنی وہ اپنے منہ سے اس قسم کی باتیں نہ بھی کرے مگر اس کی عملی زندگی کا موقف یہی بنتا ہے۔

دیکھا آپ نے! عقل کی منطق کے مقابلے میں آنے والی خواہشات کے پاس کوئی منطق نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہم نے خواہش پرستوں کو بارہا دیکھا ہے کہ شیطان ان کی نامعقول باتیں خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ○[1]

بلکہ ان کے دل اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر کے دکھائے۔

✿✿✿✿✿

[1] الانعام: ۴۳
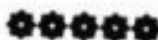
دعا

رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الدعاء مخ العبادۃ

دعا عبادت کا مغز ہے

(الدعوات للراوندی ص ۱۸ فصل ۱

آداب بندگی کا ایک اہم ترین باب دعا ہے۔ اپنی حاجت اللہ کی بارگاہ میں لے جانا بندگی ہے۔ چنانچہ اپنی حاجت غیر خدا کے پاس لے جانا اللہ کی بندگی کے منافی ہے۔ دعا کا مطلب اپنی محتاجی کا اعتراف، اللہ کی قادریت کا اقرار اور غیر خدا کی طرف رجوع کی نفی ہے۔ یہی بندگی ہے۔ اسی لیے دعا کو احادیث میں مخ العبادۃ عبادت کی روح اور مغز قرار دیا ہے۔

حدیث نبوی (ص) ہے:

الدعاء مخ العبادة وما من مؤمن يدعو الله الا استجاب له اما ان يجعل له فی الدنیا او يؤجل له فی الاخرة واما ان يكفر عنه ذنوبه بقدر ما دعا ما لم يدع بمأثم.[1]

دعا عبادت کا مغز ہے۔ کوئی مؤمن اللہ سے دعا کرتا ہے تو ضرور قبول ہوتی ہے:

الف: یا تو دنیا میں قبول ہو گی

ب: یا روز آخرت میں قبول ہو گی

ج: یا جس قدر دعا کی ہے اس قدر اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ کسی گناہ کے لیے دعا نہ کی ہو۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

الدعاء هو العبادة۔[2]

---

[1] وسائل الشیعۃ ۷: ۲۷ باب ۲

[2] الکافی ۲: ۴۶۷ باب فضل دعاء

دعا ہی عبادت ہے۔

احب الاعمال الی اللہ عزوجل فی الارض الدعاء۔ [1]

زمین میں اللہ عز وجل کو اعمال میں سب سے محبوب عمل دعا ہے۔

ارشاد باری ہے:

وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ [2]

اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دعائے ابوحمزہ ثمالی میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ولیس من صفاتك یا سیدی ان تأمر بالسؤال و تمنع العطیة۔ [3]

اے میرے آقا! تیری صفات میں یہ بات نہیں ہے کہ تو مانگنے کا حکم دے کر عطا کرنے سے گریز کرے

دعا

اللہ کے خاص بندوں کو دعا میں جو لذت محسوس ہوتی ہے کسی اور چیز میں نہیں ہوتی کیونکہ ان خاص بندوں کو اپنی ساری امیدیں دعا میں نظر آتی ہیں۔ انہیں دعا کے ذریعے حاصل ہونے والے مدعا سے زیادہ خود دعا میں لذت محسوس ہوتی ہے، چونکہ دعا کے ذریعے یہ بندہ اس اللہ سے مانوس ہوتا ہے جو اس کی فطرت میں ہے۔ اگر انسان کے لیے کوئی فریادرس نہ ہوتا تو انسان کی فطرت کسی لاشے سے اپنی امیدیں وابستہ نہ کرتی۔ اگر پانی نہ ہوتا تو انسان کو پیاس نہ لگتی۔ اگر ماں کی چھاتی میں دودھ نہ ہوتا تو بچے کو دودھ کی تلاش نہ ہوتی، نہ ہی ماں کی چھاتی سے مانوس ہوتا۔ اگر انسان کی فطرت

---

[1] الکافی ۲: ۴۶۷ باب فضل دعاء

[2] النساء: ۳۲

[3] مصباح المتهجد و سلاح المتعبد ۲: ۵۸۳ دعاء السحر

میں اللہ نہ ہوتا تو اسے پکارنے میں لذت محسوس نہ ہوتی۔ اس طرح دعا جہاں ذریعہ ہے وہاں بذات خود مقصود بھی ہے۔ بندے سے جب حقیقتاً دعا صادر ہوتی ہے اسی دعا میں مقصد بھی حاصل ہو رہا ہوتا ہے اور وہ لطف لے رہا ہوتا ہے۔

شرائط دعا

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ دعا انسان کے پورے وجود سے صادر ہو، نہ کہ صرف زبان سے۔ جس طرح پیاس میں انسان کا پورا وجود پانی طلب کرتا ہے اسی طرح انسان کے قلب، ضمیر اور وجدان، سب کی طرف سے طلب وجود میں آئے۔ اسی طرح دعا اگر حقیقتاً وجود میں آ جائے تو قبولیت کا مرحلہ آنا یقینی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ....[1] اس آیت میں اُدۡعُوۡنِیۡۤ حکم ہے اور اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ وعدہ ہے۔ اگر حکم کی تعمیل ہو جائے تو اللہ کی طرف سے وعدے کا پورا ہونا یقینی ہے۔

دعاؤں میں آیا ہے:

اللّٰھم انی ادعوك کما امرتنی فاستجب لی کما وعدتنی.[2]

اے اللہ! میں نے تیرے حکم کے مطابق دعا کی ہے پس تو اپنے وعدے کے مطابق قبول فرما۔

عام طور پر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ میں دعا بہت کرتا ہوں لیکن قبول نہیں ہوتی۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ تم سے دعا ہوئی کب تھی کہ قبول ہو جائے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے: طبعی و قدرتی قوانین کے خلاف نہ ہو۔ اگر اللہ کے قدرتی قوانین سے ہٹ کر دعا کی جائے تو قبولیت کی کوئی گنجائش نہ ہو گی چونکہ دعا کے ذریعے قدرتی وسائل و اسباب کی فراہمی میں مدد ملتی ہے۔ اگر قدرتی وسائل و اسباب سے ہٹ کر حاجت روائی کی دعا کی جائے تو یہ دعا بے سود ہو گی۔ جیسے شادی کے بغیر اولاد کے لیے دعا کی جائے۔ محنت کے

---

[1] غافر: ۶۰

[2] تہذیب الاحکام ۳: ۱۲۲

بغیر روزی کے لیے دعا کی جائے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ آسودگی کی حالت میں بھی دعا کرتا رہے۔ اگر صرف اضطراری حالت میں ہی دعا کرتا ہے تو یہ غیر مانوس آواز نہیں سنی جاتی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

من تقدم فی الدعاء استجیب له اذا نزل به البلاء و قالت الملائکة صوت معروف ولم یحجب عن السماء و من لم یتقدم فی الدعاء لم یستجب له اذا نزل به البلاء و قالت الملائکة ان ذا الصوت لا نعرفه۔[1]

جو پہلے سے دعا کرتا رہے تو بلا نازل ہونے کی صورت میں دعا قبول ہوگی اور فرشتے کہیں گے یہ جانی پہچانی آواز ہے اور جو پہلے سے دعا نہیں کرتا تو بلا نازل ہونے کی صورت میں اس کی دعا قبول نہ ہوگی اور فرشتے کہیں گے اس آواز کو ہم نہیں پہچانتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

من سره ان یستجاب له فی الشدة فلیکثر الدعاء فی الرخاء۔[2]

جسے سختیوں میں قبولیت دعا پر مسرت ہوتی ہے تو اسے چاہیے آسودگی میں کثرت سے دعا کرے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ قبولیت دعا پر ایمان ہو۔ یعنی اللہ کی رحمت و مہربانی پر ایمان ہو کہ اللہ کی رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا میں ہے:

---

[1] الکافی ۲: ۴۷۲ التقدم فی دعاء

[2] الکافی ۲: ۴۷۲ باب التقدم فی الدعاء

وابواب الدعاء الیک للصارخین مفتوحة۔[1]
دعا کے دروازے پکارنے والوں کے لیے کھلے ہیں۔
۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اپنی شامت اعمال کے نتائج نہ ہوں۔ اگر کوئی مصیبت اپنے اعمال کے نتیجے میں آئی ہے تو اس صورت میں بھی دعا قبول نہ ہو گی۔ چنانچہ امر بالمعروف اور نہی از منکر ان واجبات میں سے ہے جن پر اسلامی معاشرے کی تشکیل ممکن ہوتی ہے اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں معاشرے کے برے لوگوں کو اقتدار تک پہنچنے کا موقع میسر آ جاتا ہے اور وہ لوگوں کے مقدرات پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اس وقت نیک لوگ ان اشرار سے نجات کے لیے دعا کریں گے ان کی دعا قبول نہ ہو گی۔

حدیث ہے:

لتامرن بالمعروف ولتنهن عن المنکر او لیستعملن علیکم شرارکم فیدعو خیارکم فلا یستجاب لهم.[2]

تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ ورنہ تمہارے برے لوگ تم پر حاکم ہوں گے تو تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے تو قبول نہ ہو گی۔

۶۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ اپنی حاجت صرف اللہ کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ غیر اللہ کے دروازے پر جاتا ہے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمۡرِہٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا ۝[3]

---

[1] مصباح المتہجد ۲: ۵۸۳ دعاء السحر
[2] الکافی ۵: ۵۶ باب الامر بالمعروف و نہی عن المنکر
[3] الطلاق: ۳

جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس اس کے لیے اللہ کافی ہے، اللہ
اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، تحقیق اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک
اندازہ مقرر کیا ہے۔"
اس شرط کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "عدۃ الداعی" کا ترجمہ
"آداب بندگی"۔

نماز شرط قبولیت اعمال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الصلوۃ عمود الدین۔

نماز دین کا ستون ہے۔

(امالی شیخ طوسی ص ۵۳۹ مجلس ۱۹)

۱۔ تقویٰ کے موضوع پر آیات واحادیث کی روشنی میں وضاحت ہو گئی کہ تقویٰ کے بغیر عمل قبول نہیں ہوتا۔

۲۔ اخلاص کے بغیر بھی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اس موضوع پر بھی "اخلاص در عمل" کے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔

۳۔ نماز۔ دیگر اعمال کی قبولیت کے لیے نماز پڑھنا شرط ہے چنانچہ بے نمازی کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

یہ حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان عمود الدین الصلوة وھی اول ما ینظر فیہ من عمل ابن آدم. فان صحت نظر فی عملہ وان لم تصح لم ینظر فی بقیة عملہ[1]

نماز دین کا ستون ہے۔ فرزند آدم کے اعمال میں سب سے پہلے نماز دیکھی جائے گی۔ اگر نماز درست ہے تو اس کے دیگر اعمال کو بھی دیکھا جائے گا۔ اگر نماز صحیح نہیں ہے تو باقی اعمال کو دیکھنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

دیگر حدیث نبوی (ص) ہے:

الصلوة مرضاة اللہ تعالیٰ وحبُّ الملائکة وسنة الانبیاء و نور المعرفة واصل الایمان واجابة الدعاء و قبول

---

[1] التھذیب الاحکام ۲: ۲۳۷ باب ۱۲

الاعمال وبركة فی الرزق و راحة فی البدن و سلاح علی الاعداء و کراهة الشیطان وشفیع بین صاحبها و ملك الموت و سراج فی القبر و فراش تحت جنبیه و جواب منکر و نکیر ومونس فی السراء و الضراء و صائر معه فی قبرہ الی یوم القیامة۔[1]

نماز اللہ کی خوشنودی ہے۔ فرشتوں کی محبت کا سبب ہے۔ انبیاء کی سیرت ہے۔ معرفت کا نور ہے۔ قبولیت دعا ہے۔ قبولیت اعمال ہے۔ روزی میں برکت ہے۔ جسم کے لیے راحت ہے۔ دشمنوں کے مقابلے میں اسلحہ ہے۔ شیطان کی ناراضی ہے۔ نمازی اور ملک الموت کے درمیان شفاعت ہے۔ قبر کی روشنی ہے۔ دونوں پہلوؤں کے لیے بستر کی طرح آرام دہ ہے۔ منکر ونکیر کا جواب ہے۔ خوشی اور غمی میں انس ہے اور قبر میں قیامت تک کے لیے ساتھی ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی محبت، بقولے، شرط صحت عبادت ہے اور بقولے، شرط قبولیت اعمال ہے۔

اول وقت میں نماز کی ادائگی کے بارے میں چند احادیث پیش خدمت ہیں:

... عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ عز و جل: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ. الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ.[2] قال تاخیر الصلوة عن اول وقتها لغیر عذر.[3]

اللہ عز وجل کے اس فرمان: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ. الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ. (پس ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے

---

[1] جامع الاخبار ص ۷۴ فصل ۳۳

[2] الماعون: ۴۔۵

[3] وسائل الشیعة ۴: ۱۲۳ باب استحباب الصلاة فی اول الوقت

جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔) کے بارے میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے: اس سے مراد کسی عذر کے بغیر اول وقت سے تاخیر کر کے نماز پڑھنا ہے۔

نبی کریم (ص) سے روایت ہے:

افضل الاعمال الصلوۃ فی اول وقتھا۔[1]

اعمال میں سب سے بہتر نماز اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ان فضل الوقت الاول علی الآخر کفضل الآخرۃ علی الدنیا۔[2]

(نماز کے) اول وقت کی فضیلت، آخرت کی دنیا پر فضیلت کی مانند ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

اول الوقت رضوان اللہ وآخرہ عفو اللہ و العفو لا یکون الا من ذنب۔[3]

(نماز میں) اول وقت اللہ کی خوشنودی اور اس کا آخر وقت اللہ کا عفو و درگزر ہے اور عفو و درگزر صرف گناہ سے کیا جاتا ہے۔(یعنی نماز پڑھنے میں تاخیر کرنا گناہ ہے)

و بالاسناد قال: و کان رسول اللہ ص اذا رکع لو صب علی ظھرہ الماء لاستقر۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رکوع فرماتے تو اگر آپ (ص)

---

[1] عوالی اللئالی ۲: ۲۱۳ باب الصلاۃ
[2] الکافی ۳: ۲۷۴ باب المواقیت اولھا و آخرھا و افضلھا
[3] من لا یحضرہ الفقیہ ۱: ۲۱۷
[4] وسائل الشیعۃ ۶: ۳۲۴

کی پر پشت پانی گرایا جاتا تو (پشت پر) پانی ٹھہر جاتا۔ (یعنی رکوع میں بے حرکت اور کمر سیدھی رکھتے تھے)

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

من اتم رکوعه لم تدخله وحشة فی القبر۔[1]

جو کامل رکوع کرتا ہے، قبر میں اسے وحشت نہیں ہوگی۔

خوش بود گر محک تجربہ آید بہ میان

یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے پروفیسر رام چندرن نے انسان کے جسم پر نماز کی حیرت انگیز تاثیر کا پتہ چلایا ہے۔ رام چندرن نے امریکہ کے بعض سکالرز کے ساتھ مل کر نماز کے جسم انسانی پر مترتب ہونے والے حیرت انگیز اثرات پر تحقیقات کیں تو نماز کی حالت میں انسانی دماغ کی فعالیت میں اضافے اور روحانی طور پر سکون حاصل ہونے کا علم ہوا۔ اس سائنسی تحقیق سے پتہ چلا کہ نماز شروع کرنے کے ۵۰ سیکنڈ بعد یہ حالت شروع ہو جاتی ہے۔

اس تحقیق میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ نماز کی حالت میں دل کی دھڑکن اور دوران خون میں بھی ۲۰ سے ۳۰ فیصد تک کمی آجاتی ہے اور جسم کے بیرونی حصہ (جلد) میں مقاومت کی طاقت زیادہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح حالت نماز میں نمازی کے مغز کی جو تصاویر لی گئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حالت نماز میں نمازی کا دماغ دوسرے حالات کی بہ نسبت زیادہ فعال ہو جاتا ہے اور نمازی کے مغز کی اعصابی رگوں سے ایک نورانی شعاع اٹھنا شروع ہو جاتی ہے۔ اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے اس بارے میں لکھا ہے: ان سائنسی تحقیقات سے انسانی مغز کے داخلی اسرار واضح ہوئے ہیں۔ اخبار "سائنس" نے اس قسم کی تحقیقات کو سراہتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے "دین" اور "سائنس" میں مضبوط ربط کی وضاحت ہو جاتی ہے۔[2]

✿✿✿✿✿

---

[1] الکافی ۳: ۳۲۱

[2] "عجائب ومطالب" از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ محسنی دام ظلہ۔ کابل

فہرست